لاش، لڑکی اور گف کے گنہگار

جُرم وسزا اور سراغرسانی کی ایک انوکھی اور حقیقی کہانی

احمد یار خان

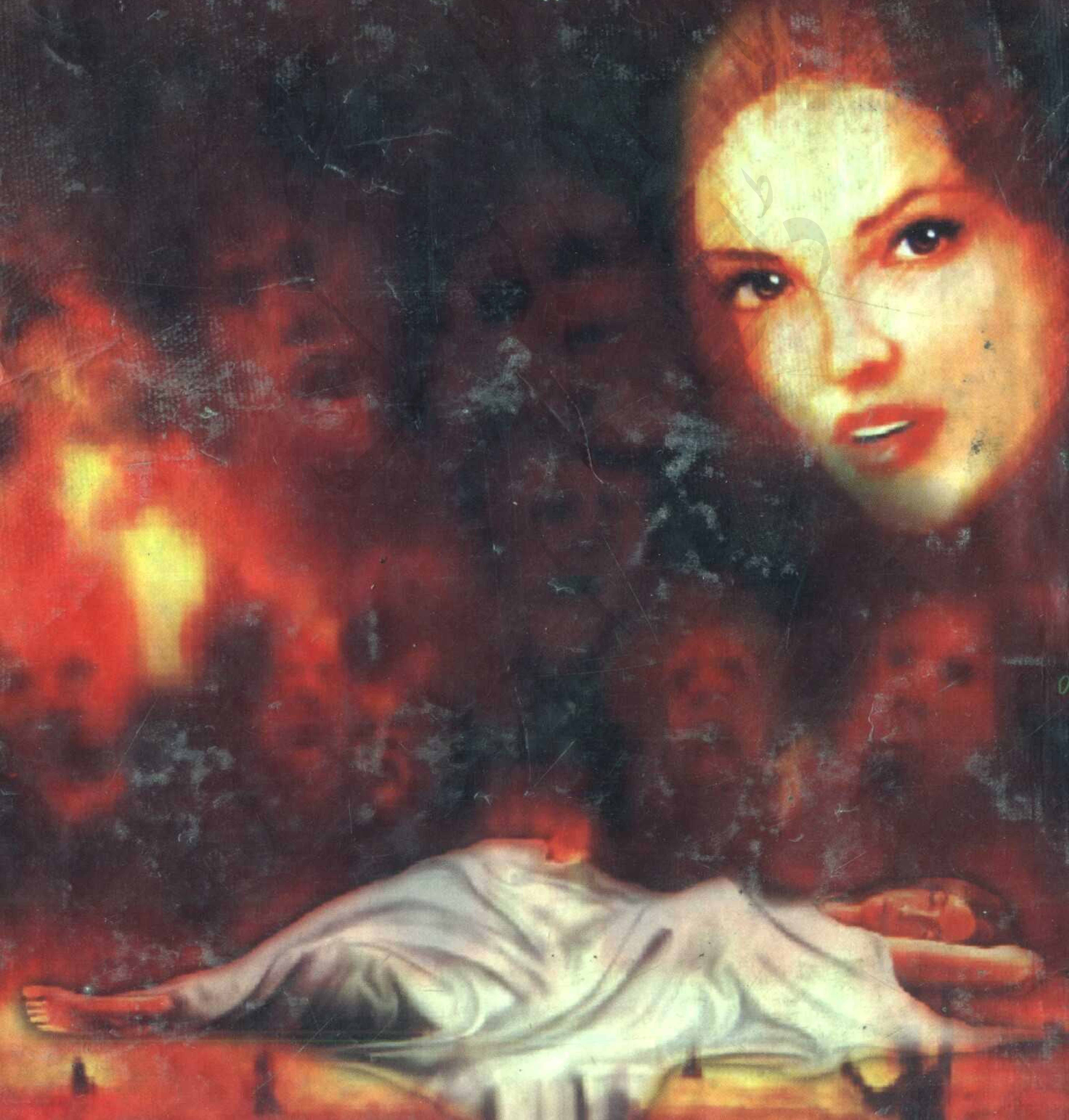

پیش لفظ

جناب احمد یار خان کی ایک مکمل کہانی پیش کی جا رہی ہے۔

یہ کہانی "حکایت" میں دو قسطوں میں شائع کی گئی تھی۔ یہ اتنی طویل تھی کہ چار قسطوں پر پھیل گئی تھی۔ ہم "حکایت" کے قارئین کو اتنے زیادہ انتظار کی زحمت دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ ہم نے اس کا علاج یہ سوچا کہ کئی تفصیلات حذف کر کے کہانی دو قسطوں میں سنا دی۔ اب ہم ان تفصیلات کے ساتھ جو حذف کر دی گئی تھیں، مکمل کہانی پیش کر رہے ہیں۔

جناب احمد یار خان کی ہر کہانی کی طرح اس کہانی میں بھی کئی رنگ ملتے ہیں لیکن یہ تفتیشی کہانی جو سچی ہے، مصنّف کی دوسری تمام کہانیوں سے مختلف ہے۔ اس میں بعض واقعات ناقابلِ یقین لگتے ہیں، مثلاً ایک کنواری اور نوجوان لڑکی کو کالے جادو کے ذریعے گھر سے نکلوایا گیا۔ اس واقعہ کو افسانہ نہ سمجھیں۔ کالے علم کے ماہرین کے لیے یہ کام مشکل نہیں۔ جو لوگ کالے علم سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس علم کا کوئی استاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے دُور بیٹھے ہوتے اور نظروں سے اوجھل انسان کو اپنے اثر میں لے سکتا ہے اور اُس سے اپنی مرضی کی حرکتیں کرا سکتا ہے۔

اس کہانی میں آپ دیکھیں گے کہ اللہ کا کلام کالے علم کو کس طرح بیکار کرتا ہے۔ یہ بھی دیکھیں کہ کالے علم کے ذریعے شیطانی کام کر کے عامل پر کیا گزرتی ہے۔ اس علم کے ماہرین کسی کو اس علم کی زد میں لا کر اپنی حفاظت کا انتظام بھی کر لیتے ہیں۔ اگر عمل کرنے والا اناڑی ہو تو اُس کا جو حال ہوتا ہے وہ اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ردِّ عمل نفسیاتی ہوتا ہے اور اسے آپ خدا کی بے آواز لاٹھی بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس کہانی میں آپ کو غیرت مندی اور بے غیرتی ساتھ ساتھ چلتی نظر آئیں گی۔ انسانی فطرت اور کردار کی بلندی اور پستی بھی نظر آئے گی۔ اہم سبق تو یہ ملتا ہے کہ جرم سات پردوں کے پیچھے کرو پھر بھی پردے اُٹھ جاتے اور مجرم کو قانون کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ جرم کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے علاوہ ایک قانون اور بھی ہے۔ یہ قانون اُس ذاتِ باری تعالیٰ نے بنایا ہے جس نے انسان بنائے ہیں اور ان میں ضمیر رکھ دیا ہے۔ دنیا کے قانون سے مجرم بچ سکتا ہے، اللہ کے قانون سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ زُود یا بدیر مجرم کو سزا ضرور ملتی ہے۔ اس کہانی میں آپ کو ایسے دو کردار ملیں گے جو دنیا کے قانون کی گرفت میں نہیں آ سکتے تھے لیکن اللہ کی بے آواز لاٹھی سے وہ نہ بچ سکے۔

عنایت اللہ
مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

گاؤں خاصا بڑا تھا۔ جس تھانے میں یہ گاؤں تھا اُس کا چارج لئے مجھے ابھی چھٹا یا ساتواں روز تھا۔ جانے والے سب انسپکٹر نے مجھے علاقہ گھما پھرا کر دکھا دیا تھا پھر بھی میں ابھی وہاں اجنبی تھا۔ مجھے چارج دے کر جانے والا سب انسپکٹر ناگپور کے قریب کا رہنے والا بِمل داس نام کا ہندو تھا۔

میں نے چارج لے کر اور علاقہ دیکھ کر وہ کیس دیکھے جو زیرِ تفتیش تھے۔ اُس زمانے میں جرائم اتنے زیادہ نہیں ہوتے تھے جتنے آج کل ہو رہے ہیں۔ میں ان کیسوں کا سرسری جائزہ لے رہا تھا۔ ان میں تین چار کیس قتل کے بھی تھے۔ میری نظریں قتل کے ایک کیس پر رُک گئیں میرے چارج لینے سے پانچ چھ روز پہلے کی تاریخ تھی۔ انیس بیس برس عمر کی ایک غیر شادی شُدہ مسلمان لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ درج تھی۔ تیسرے یا چوتھے روز (کیس کی فائل کے مطابق) لڑکی کی لاش ملی۔ لڑکی کے والدین نے اور گاؤں کے تین آدمیوں نے جن میں ایک نمبردار تھا، لاش کی شناخت کی کہ یہ گمشدہ لڑکی کی لاش ہے۔ اس کے بعد سب انسپکٹر بِمل داس نے نامعلوم قاتل کے خلاف مقدمہ درج کیا اور ایف۔ آئی۔ آر لکھی۔ تیسرے روز میں چارج لینے آ گیا۔ ان تین دنوں میں لاش کے پوسٹ مارٹم کے سوا کوئی اور تفتیش نہیں ہوئی تھی۔

میں نے قتل کے اس کیس میں خاص چیز جو دیکھی وہ پوسٹ مارٹم رپورٹ تھی۔ لاش کی حالت یہ لکھی تھی کہ لاش ناقابلِ شناخت تھی چہرہ گیدڑوں وغیرہ نے کھا لیا تھا۔ جسم کا کہیں کہیں گوشت رہ گیا تھا۔ پیٹ اور سینے کے اندرونی اعضا کھائے جا چکے تھے۔ ٹانگیں اور بازو ویسے ہی لاش کے ساتھ تھے۔ یہ الگ ہو چکے تھے۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ سر کے بالوں سے پتہ چلتا تھا کہ یہ عورت کی لاش ہے۔ یہ پتہ چلانا ناممکن تھا کہ قتل سے پہلے اس

عورت کے ساتھ کیا سلوک ہُوا تھا۔ پیٹ کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ معلوم کرنا بھی ممکن نہ تھا کہ اسے کس طریقے سے مارا گیا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اسے مرے کتنا وقت گزر چکا ہے۔

ایسی لاش کو شناخت کس طرح کیا گیا؟

مقتولہ کی ماں نے اور اُس کے باپ نے تحریری بیان دیئے تھے کہ انہوں نے کپڑوں سے اپنی بیٹی کی لاش پہچانی۔ دوسرے گواہوں نے بھی ایسے ہی بیان دیئے تھے۔

میں نے سب کے بیان پڑھے تو ان میں زیادہ تر فقرے ایک جیسے تھے۔ اس سے مجھے کچھ شک ہوا۔ میں نے اے۔ایس۔آئی سے پوچھا کہ اُس نے لاش دیکھی ہو گی، کیا وہ قابلِ شناخت تھی؟

"ہاں جی ہاں!" — اُس نے وثوق سے کہا — "آپ جانتے ہیں کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کس طرح لکھی جاتی ہے۔ مقتولہ کے لواحقین نے لاش کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

"نارائن جی!" — میں نے اے۔ایس۔آئی سے کہا — "ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو اچھے رنگ رُوپ میں پہچانیں۔ سب انسپکٹر بمل داس نے میرے آگے تمہاری بہت تعریف کی تھی۔ اتنی زیادہ کہ مجھے تمہارے خلاف شک میں ڈال گیا ہے۔ ہم لوگ اتنی زیادہ تعریفوں کے قابل نہیں ہوتے۔ میرے دل میں اپنے خلاف شک پیدا نہ ہونے دو۔"

اُس نے اب کے اتنے وثوق سے تو بات نہ کی لیکن پہلے جو جواب دے چکا تھا، اسی پر قائم رہا۔ میں نے بات یہیں پر ختم کر دی لیکن اس اے۔ایس۔آئی نے مجھے مزید شک میں ڈال دیا۔

مجھے یہ دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور میں ہندوستان کے اُس علاقے میں نوکری کر رہا ہوں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور انگریزوں کے ساتھ میں ہندو حکومت کر رہے ہیں۔

اُونچے عہدوں پر بھی ہندو افسر موجود تھے۔ اپنی دیانتداری کے علاوہ مجھے محتاط ہونا پڑتا تھا کہ کوئی ہندو ڈنک نہ مار جاتے۔ ایسا ایک کیس میرے ذمے آ گیا تھا جس کی تفتیش ہوئی ہی نہیں تھی۔ اس میں کوتاہی مجھے نقصان دے سکتی تھی۔ پہلا تھانیدار تو ایک ناقابلِ شناخت لاش کو گمشدہ لڑکی کی لاش ثابت کر کے چلا گیا تھا۔ اب مجھے قاتل کو پکڑنا تھا مگر شناخت پر مجھے شک ہو گیا۔

شام کو میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو پاس بٹھا لیا اور اُس سے پوچھا کہ اُس نے وہ لاش دیکھی تھی؟

"برآمدگی کے وقت میں موجود تھا" — اُس نے جواب دیا — "آپ اے۔ایس۔آئی صاحب کو پتہ نہ چلنے دینا کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لاش شناخت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ سر کے بالوں کے سوا کوئی اور نشانی نہیں تھی جس سے پتہ چلتا کہ یہ عورت ہے۔ جسم کا کوئی اور حصہ محفوظ نہیں تھا۔ سب انسپکٹر بمل داس نے لڑکی کے باپ کو ڈرا دھمکا کر منوایا کہ وہ کہے کہ یہ اُس کی بیٹی کی لاش ہے۔ گمشدہ لڑکی کی ماں سے بھی لکھے ہوئے بیان پر انگوٹھا لگوایا گیا تھا۔ باقی تین گواہ اپنے ہی آدمی تھے۔ ان میں نمبردار بھی تھا۔"

"بمل داس نے اس کارروائی میں کیا فائدہ دیکھا تھا؟" — میں نے پوچھا۔

"کہتا تھا کہ اس طرح گمشدگی کی تفتیش ختم ہو جائے گی" — ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا — "قتل کی تفتیش ہوتی رہے گی... جناب! مجھے شک ہے کہ سب انسپکٹر بمل داس نے کسی سے مال کھایا ہے۔"

"اے۔ایس۔آئی نارائن کو معلوم ہو گا؟" — میں نے پوچھا۔

میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اس ہندو ہیڈ کانسٹیبل کو میرے ساتھ کیا ہمدردی تھی۔ یہ محض خوشامد تھی۔ خوشامد بڑا قدیم فن ہے۔ اس ہندو کانسٹیبل نے سب انسپکٹر بمل داس کو جب اُس نے اس تھانے کا چارج لیا تھا، پہلے

تھانیدار کے خلاف باتیں سنائی ہوں گی اور اُسے خوش کیا ہوگا۔ اب وہ مجھے بمل داس کے راز دے رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے جانے کے بعد وہ اگلے تھانیدار کو میرے خلاف کچھ نہ کچھ بتائے گا لیکن مجھے اپنے کام کے راز لینے تھے جو وہ دے رہا تھا۔ خوشامدی کسی کے یار نہیں ہوتے۔ انہیں اپنی ترقی اور دیگر فائدے کے لئے اپنے افسروں کو خوش رکھنا پڑتا ہے۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا" — ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا — "یہ بمل داس کا اپنا آدمی تھا۔ کوئی گڑبڑ کرنی ہوتی تو دونوں مل کر کرتے تھے۔"

اتنی سی بات ہی میرے لئے کافی تھی۔ مجھے تصدیق کی ضرورت تھی کہ لاش کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے اے۔ایس۔آئی نارائن سے کچھ نہ کہا۔ میں اُسے اس شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا کہ کسی نے میرے آگے اُس کی چغلی کی ہے۔ اس ہیڈ کانسٹیبل نے جو ہندو تھا، مجھے یہ بھی بتایا کہ گمشدہ لڑکی کے متعلق ہر کسی نے یہی کہا تھا کہ شریف لڑکی ہے اور اس کا باپ تو بہت ہی نیک اور بھلا آدمی ہے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ سے تفتیش شروع کروں گا۔ میں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ لڑکی قتل نہیں ہوئی۔ اگر یہ کیس عدم پتہ قرار دے کر داخل دفتر کر دیا گیا ہوتا تو میں پرواہ ہی نہ کرتا۔ یہ کیس زیرِ تفتیش تھا اور کوئی تفتیش نہیں ہوئی تھی۔ یہ تو پھانسی کا پھندہ تھا جو میرے گلے میں آپڑا تھا۔ میں اس لئے بھی اس کیس کے پیچھے پڑ گیا کہ ہیڈ کانسٹیبل نے بتایا تھا کہ پہلے تھانیدار نے مال کھایا تھا۔

ننگی گالیاں بیہودہ باتیں

سب سے پہلے لاپتہ لڑکی کے باپ کو اور اُس کی ماں کو تھانے

بلایا۔ لاپتہ لڑکی کا نام شکوری لکھا تھا۔ وہ آگئے تو دستور کے مطابق مجھے ان سے الگ الگ بیان لینے تھے لیکن میں نے دونوں کو اکٹھے ہی اپنے دفتر میں بٹھا لیا۔

دونوں کی ذہنی حالت اچھی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اچھی ہونی بھی نہیں چاہیئے تھی۔ ان کی جوان بیٹی قتل ہوگئی تھی۔ غم کے علاوہ میں نے اُن کے چہروں پر اور اُن کی حرکتوں میں خوف دیکھا۔ میں بات کرتا تھا تو دونوں چونک اُٹھتے تھے۔ میں نے یہ اپنے ذہن میں رکھا ہُوا تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل نے مجھے بتایا تھا کہ ان دونوں کو پہلے تھانیدار نے ڈرا دھمکا کر منوایا تھا کہ جو لاش برآمد ہوئی ہے یہ اُن کی بیٹی کی ہے۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کی بیٹی قتل ہوگئی ہے؟" — میں نے اُن سے پُوچھا۔

"ہاں حضور!" — باپ نے زرخرید غلاموں کے سے لہجے میں بڑی تیز تیز بولتے ہُوئے کہا — "میں بیان دے چکا ہوں۔ پہلے تھانیدار صاحب کو ہم دونوں نے بیان دے دیئے تھے۔ آپ کا حکم ہو تو پھر وہی بیان دے دیں گے۔"

"معلوم نہیں خُدا ہمیں کون سے گناہ کی سزا دے رہا ہے" — شکوری کی ماں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور اُس کے آنسو بہہ نکلے۔

شکوری کا باپ پڑھا لکھا اور معزز آدمی تھا۔ اُسے ریلوے سے ریٹائر ہُوئے ابھی تین ہی مہینے ہُوئے تھے۔

"اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ کی بیٹی قتل نہیں ہُوئی اور وہ لاش آپ کی بیٹی کی نہیں تھی تو آپ کیا کہیں گے؟" — میں نے پوچھا۔

"آپ جو کہیں گے ہم اُسی کو صحیح مانیں گے" — باپ نے جواب دیا — "میں یہ عرض ضرور کروں گا کہ یہ سلسلہ کہیں رُک جانا چاہیئے۔ ہم دونوں نے دل پر پتھر رکھ کر مان لیا ہے کہ ہماری بیٹی قتل ہوگئی ہے۔"

"کیوں مان لیا ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"پہلے تھانیدار صاحب نے کہا تھا کہ مان لو"— باپ نے جواب دیا۔

"اگر میں کہوں کہ مت مانو تو پھر؟"

"میں عرض کر چکا ہوں کہ پہلے اُن کی مانی تھی اب آپ کی مان لیں گے"

— باپ نے کہا —"مجھ میں اب اور زیادہ دھمکیاں اور گالیاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں"

"کیا یہ صحیح ہے کہ پہلے تھانیدار نے آپ کو ڈرا دھمکا کر لاش کی شناخت کرائی تھی؟"

"میں کسی تھانیدار کے خلاف بات زبان پہ نہیں لاؤں گا"— باپ نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"محترم!"— میں نے کہا —"میری زبان سے نہ آپ دھمکی سنیں گے نہ بدتمیزی کا کوئی لفظ۔ آپ گالیوں کی بات کرتے ہیں"— میں نے اُس کی طرف ذرا جھک کر کہا —"میں مسلمان ہوں۔ میں ہر اُس مسلمان کی عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہوں جسے اپنی عزت کا پاس ہے۔ پہلا تھانیدار ہندو تھا۔ اُس نے شاید اس لئے آپ کی بیٹی کی گمشدگی کا کیس دبا رکھا تھا کہ آپ مسلمان ہیں۔ اگر میں بھی اُس جیسا ہوتا تو مجھے یہ کیس باہر نکالنے کی کیا ضرورت تھی؟ .... مجھے گناہگار نہ کریں۔ مجھ پر شک نہ کریں"

ہمدردی کی اتنی سی بات سے اس معزز آدمی کے آنسو نکل آتے، پھر وہ ایسا بے قابو ہُوا کہ اُس نے رومال اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور سسکیاں لینے لگا۔ اُس کی بیوی کی حالت اُس سے زیادہ بُری ہو گئی۔ میں تو اپنا فرض ادا کر رہا تھا لیکن ان دونوں کے ساتھ مجھے ہمدردی ہو گئی۔ ایک تو ان کی بیٹی لاپتہ ہو گئی اور اس پر ظلم یہ کہ تھانے میں ان کے ساتھ نہ جانے کیسا بُرا سلوک ہُوا تھا۔ میں نے خاصی مشکل سے ان دونوں کو یقین دلایا کہ میں اُن کی عزت کروں گا اور گہرائی میں جا کر تفتیش کروں گا۔

"آپ کس بنا پر کہتے ہیں کہ ہماری بیٹی قتل نہیں ہُوئی؟"— شکوری

کی ماں نے پوچھا۔

"مجھے شک ہے"— میں نے جواب دیا —"میں اپنا شک رفع کرنے یا اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے زمین کے نیچے بھی اُتر جاؤں گا لیکن مجھے آپ کے تعاون اور راہنمائی کی ضرورت ہے .... مجھے یہ بتائیں کہ لڑکی لاپتہ کس طرح ہُوئی؟"

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ میری بیٹی گھر سے کس طرح گئی ہے"— شکوری کے باپ نے کہا —"میں اُس کا باپ ہوں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ میری بیٹی ایسی نہیں تھی کہ کسی کے ساتھ گھر سے چلی جاتی۔ آپ گاؤں میں جا کر میرے گھر اور میری بیٹی کے متعلق پوچھیں"

"پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ پہلے تھانیدار نے آپ سے لاش کی شناخت کس طرح کرائی تھی؟"— میں نے پوچھا۔

اُس نے بتایا کہ سب انسپکٹر بمل داس نے اُسے اور اُس کی بیوی کو تھانے بلا کر ایک لاش دکھائی جس کے سر کے بال عورتوں جیسے تھے۔ چہرہ کھایا ہُوا تھا۔ گردن پر کھال اور گوشت تھا لیکن سینے کی تمام پسلیاں بالکل ننگی تھیں۔ پیٹ بھی صاف تھا۔ اس کے اندر کچھ نہیں تھا۔ ٹانگوں سے گوشت نوچا ہُوا تھا۔ بمل داس نے شکوری کے باپ اور اُس کی ماں سے کہا کہ یہ ان کی لاپتہ بیٹی کی لاش ہے۔ باپ نے کہا کہ ہو سکتا ہے یہ اُس کی بیٹی کی ہی لاش ہو لیکن اسے پہچانا نہیں جا سکتا۔ بمل داس نے اُسے کہا کہ وہ بیان دے دے کہ یہ اُس کی بیٹی کی لاش ہے۔ باپ نہ مانا۔ بمل داس نے اُسے کہا کہ وہ نہیں مانے گا تو سارے گاؤں میں مشہور کر دیا جائے گا کہ شکوری اپنے ایک آشنا کے ساتھ گھر سے نکل گئی تھی اور ایک اور آدمی کا اُس کے آشنا کے ساتھ گٹھ جوڑ ہو گیا پھر انہوں نے شکوری کی آبرو ریزی کر کے اسے قتل کر دیا ہے۔

میں نے یہ ایک بات بتائی ہے جو بمل داس نے شکوری کے ماں باپ سے کہی تھی۔ اُس نے انہیں ننگی گالیاں دیں اور ایسی بیہودہ باتیں

کہیں اور گرفتار کر لینے کی دھمکیاں دیں کہ دونوں نے مجبور ہو کر بمل داس کے لکھے ہوئے بیانات پر دستخط کر دیئے۔

"چھوٹے تھانیدار (نارائن) نے بھی آپ کو کچھ کہا تھا؟"

"کہتا تھا؟" — شکوری کے باپ نے کہا — "وہ تو بار بار بڑے تھانیدار سے کہتا تھا کہ دونوں (میاں بیوی) کو حوالات میں بند کر دو۔ بڑا تھانیدار ایک گالی دیتا تھا اور چھوٹا تین دیتا تھا.... میں نے بیان پر دستخط کر کے سوچا کہ یہی اچھا ہے کہ مشہور ہو جائے کہ میری بیٹی قتل ہو گئی ہے۔ ہم دونوں نے اپنے آپ کو یقین دلا دیا ہے کہ ہماری بیٹی قتل ہو گئی ہے۔ اگر یہ نہ مانیں تو ساری عمر کا رونا ہے کہ نہ جانے بیٹی کہاں ہے۔"

میں نے انہیں کہا کہ ہو سکتا ہے کہ لاش جو انہیں دکھائی گئی تھی وہ ان کی بیٹی کی ہی ہو لیکن میں اس شناخت کو تسلیم نہیں کرتا۔ میں نئے سرے سے تفتیش شروع کروں گا۔ میں نے میاں بیوی کو گھر بھیج دیا۔ انہیں کہا کہ کسی کے ساتھ کوئی بات نہ کریں اور دل سے خوف نکال دیں۔

"اور دعا کریں" — میں نے کہا — "اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ جو کرتا ہے وہ بندہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ دعا میں بڑی طاقت ہے۔"

لڑکی خوش تھی

لاش کی شناخت تین اور آدمیوں سے بھی کرائی گئی تھی۔ مجھے شکوری کے باپ کے نئے بیان کی تصدیق کرانی تھی جو ان تین آدمیوں سے پوچھ گچھ کر کے ہو سکتی تھی۔ میں نے ان تینوں کو بلوایا۔ گاؤں دو میل دور تھا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد تینوں آ گئے۔ ان میں گاؤں کا نمبردار بھی تھا۔ میں نے نمبردار کو سب سے پہلے الگ بٹھا کر لپیٹ میں لیا۔

"مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم نے شکوری کی لاش کس طرح پہچانی تھی!" — میں نے پوچھا اور کہا — "مجھے کوئی ایک نشانی بتا دو۔ جواب دینے سے

پہلے دل میں یہ بٹھا لو کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میرے پاس ہے۔ اس میں لاش کی حالت لکھی ہوئی ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"جھوٹ بولنے سے پہلے سوچ لو کہ جھوٹا بیان دینا جرم ہے" — میں نے کہا — "میں یہ جرم بخشوں گا نہیں۔"

"حضور والا!" — اُس نے کہا — "میں نے بمل داس جی کو خوش کرنے کے لئے اُن کے لکھے ہوئے بیان پر انگوٹھا لگایا تھا۔ لاش کی صحیح شناخت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔"

مجھے یقین تھا کہ یہ شخص جھوٹ بولنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ نمبردار تھا۔ ہر تھانیدار کو خوش رکھنا اُس کا فرض تھا۔ نمبردار سرکاری آدمی ہوا کرتے تھے۔ تھانیداروں کے آگے تو وہ سجدے کیا کرتے تھے لیکن بوقتِ ضرورت تھانیداروں کو دھوکہ بھی دے دیا کرتے تھے۔

میں اس نمبردار سے باز پُرس نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اُس نے جھوٹی شناخت کیوں کی تھی۔ نمبرداروں کو تو جھوٹے گواہ مہیا کرنے کو بھی کہا جاتا تھا اور وہ اس حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ ضرورت پڑتی تو خود بھی جھوٹی گواہی دے دیا کرتے تھے۔ اب میں اُس سے جتنے جھوٹ چاہتا بُلوا سکتا تھا۔

"اب یہ بتاؤ کہ شکوری نام کی جو لڑکی لاپتہ ہوئی تھی وہ چال چلن کی کیسی تھی؟" — میں نے پوچھا۔

"اُس کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سنی تھی" — اُس نے جواب دیا — "اُس کے ماں باپ شریف لوگ ہیں.... اگر لڑکی نے در پردہ کسی کے ساتھ دوستی لگا رکھی تھی تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ وہ لاش کس کی تھی؟"

"نہیں حضور!" — نمبردار نے جواب دیا — "میں خود حیران ہوں کہ وہ لاش کس کی تھی۔ میرے گاؤں کی کوئی عورت لاپتہ نہیں۔"

اس کے بعد میں نے دوسرے دو آدمیوں کو باری باری بلایا اور ان سے یہی سوال پوچھا جو میں نمبردار سے پوچھ چکا تھا۔ دونوں کو ڈرایا بھی۔ دونوں نے نمبردار کی طرح صاف بتا دیا کہ انہیں نمبردار تھانے لے آیا اور انہیں لکھے ہوئے بیان پڑھ کر سناتے گئے اور ان کے انگوٹھے لگوا لئے گئے تھے۔

تھانے میں قتل کا کیس درج تھا۔ میں نے علاقہ ڈی۔ ایس۔ پی کو لکھا کہ ابھی یہ کیس قتل کا نہیں، یہ گمشدگی کا کیس ہے۔ میں نے شکوری کے باپ، اس کی ماں، نمبردار اور دو اشخاص کے نئے بیان مختصراً لکھ کر ڈی ایس۔ پی کو بھیج دیئے۔ اے۔ ایس۔ آئی نارائن کی بھی رپورٹ لکھی اور ڈی۔ ایس۔ پی کو بھیج دی۔ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ آپ کو یہ کارروائی تفصیل سے سناؤں۔ یہ بتا دیتا ہوں کہ تین چار روز بعد نارائن کو لائن حاضر کرنے کا حکم آ گیا۔

اب میں نے شکوری کے لاپتہ یا اغوا ہونے کی باقاعدہ تفتیش شروع کی۔ اسے لاپتہ ہوئے دو ہفتے گزر گئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے شکوری کے باپ سے پوچھ گچھ کی۔ اس نے اپنی بیٹی کی شرافت کا ذکر کیا جو میرے لئے قابلِ قبول نہیں تھا۔

باپ کے بیان کے مطابق، وہ لاپتہ اس طرح ہوئی کہ صبح ابھی ذرا اندھیری تھی جب اس کی ماں روزمرّہ کے مطابق جاگی۔ شکوری بستر پر نہیں تھی۔ گھر میں دیکھا۔ کہیں بھی نہیں تھی۔ بڑے دروازے کی اندر والی کنڈی ہی نہیں، ایک کواڑ کھلا ہوا تھا۔ وہ اتنی سویرے کبھی باہر نہیں نکلی تھی۔ سورج طلوع ہو گیا۔ شکوری نہ ملی۔ ماں نے دیکھا کہ اس کے سلیپر جو وہ گھر میں پہنا کرتی تھی، اس کی چارپائی کے پاس پڑے تھے۔

"اس کی باقی جوتیاں دیکھی تھیں؟" — میں نے پوچھا — "ان میں سے کوئی جوڑا پہن گئی ہوگی۔"

"اس کی تین جوتیاں تھیں۔ دو سینڈل اور ایک دیسی جوتی" — اس کے باپ نے کہا — "وہ یہیں پڑی ہیں۔"

میرے ذہن میں سوال اٹھے — کیا وہ ننگے پاؤں گئی ہے؟ کیا اسے اٹھایا گیا ہے؟ — اٹھا لے جانے کی صورت میں آدمی دو یا اس سے زیادہ ہوں گے۔ ننگے پاؤں جانے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اسے اٹھا کر لے جایا گیا ہے یعنی زبردستی۔

شکوری کے متعلق پتہ چلا کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے اور اس کا منگیتر فوج میں نائک ہے۔ میں نے وہ تمام سوال پوچھے جو اس قسم کی وارداتوں میں پوچھے جاتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ کسی کے ساتھ دشمنی نہیں۔ لڑکی کے رشتے کے امیدوار تین تھے۔ ایک کو رشتہ دیا گیا۔

"کیا دوسرے دو ناراض ہوتے تھے؟"

"یہ تو قدرتی بات ہے" — شکوری کے باپ نے جواب دیا — "انہوں نے گلے شکوے کئے تھے۔"

"ان میں سے کسی نے کوئی دھمکی دی تھی؟"

"نہیں" — باپ نے جواب دیا — "وہ ایسے لوگ نہیں۔"

میں نے شکوری کی ماں کو بلایا۔ مائیں اپنی بیٹیوں کی رازدان ہوتی ہیں۔ میں نے ماں کو اپنے سامنے بٹھایا اور اسے ایک بار پھر یقین دلایا کہ وہ ڈرے اور گھبرائے نہیں۔

"میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ آپ کی بیٹی کو زندہ برآمد کرنے کے لئے کر رہا ہوں" — میں نے اسے کہا — "مجھے بتائیں کہ شکوری کی منگنی ہوتی تو وہ خوش تھی یا اداس ہو گئی تھی۔"

"وہ خوش تھی" — ماں نے جواب دیا۔

"ماں بیٹیاں آپس میں دل کی بات کہہ سن لیتی ہیں" — میں نے کہا — "اس نے آپ کو اپنی پسند بتائی ہوگی۔"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گئی ہوں" — ماں نے کہا — "میری بیٹی کا دھیان کسی اور کی طرف نہیں تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ لڑکا بڑا خوبصورت

جوان ہے اور زمیندار خاندان کا ہے۔ ہم بھی رشتہ چاہتے تھے۔ آپ ہمارے گھر آکر دیکھیں۔ شکوری اپنے ہاتھوں اپنے کپڑے تیار کر رہی تھی۔ دن رات دوپٹوں کی کڑھائی میں لگی رہتی تھی۔"

شکوری کی عادتوں کے متعلق ماں نے بتایا کہ ہنسنے کھیلنے والی تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی تھی اور نماز روزے کی پابند تھی۔ اُس کی جب منگنی ہوگئی تو اُس نے شکرانے کے نفل پڑھے تھے۔

یہ تو ماں باپ کی باتیں تھیں۔ ان میں مبالغہ ہو سکتا تھا۔ اگر شکوری نماز روزے کی پابند تھی تو بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ منگیتر ہی کو چاہتی تھی اور اُس کا دھیان کسی اور کی طرف نہیں تھا۔ میں نے بعض نمازی اور پارسا لڑکیاں دیکھی ہیں جو اپنی پسند کے آدمی کو حاصل کرنے یا اُس کے ساتھ گھر سے نکل جانے اور پکڑے نہ جانے کے لئے ہر نماز کے بعد دعا اور وظیفے کیا کرتی تھیں۔ جوانی کے جذبات ایسے ہوتے ہیں کہ مذہب کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کبھی شدت اختیار کر لیتے ہیں تو نماز روزے پر غالب آجاتے ہیں۔ شکوری کے متعلق صحیح رائے کسی اور سے لینی تھی۔

جُوتی جو بھنگن نے پہن لی

مجھے یہ خیال تو بار بار آتا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ لاش شکوری کی ہی ہو۔ میں نے اُس کے باپ سے اور ماں سے اُس کی عمر، اُس کا حلیہ اور اُس کا رنگ وغیرہ پوچھ لیا تھا۔ یہ وہی حلیہ تھا جو انہوں نے لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ کے ساتھ لکھوایا تھا۔

پوسٹ مارٹم کرنے والا ڈاکٹر میری کچھ مدد کر سکتا تھا۔

مجھے یہ خیال بھی آیا کہ لاش کے ساتھ اُس کے کپڑے بھی ہوں گے۔ کیا جُوتی بھی تھی؟ یہ تو شکوری کا باپ اور اُس کی ماں بھی بتا چکی تھی کہ اُس

کی تمام جُوتیاں گھر میں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ننگے پاؤں گئی ہے۔ میں اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو لاش ملی تھی، اس کے پاؤں میں جُوتی تھی یا نہیں۔

شکوری کے ماں باپ سے جُوتی کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔ لاش کی برآمدگی کے وقت ایک ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبل موجود تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے بتایا کہ کپڑوں کے ٹکڑے موجود تھے اور لاش کے پاؤں میں دیسی جُوتی کا جوڑا تھا۔ سب انسپکٹر ہُل داس نے جُوتی تھانے میں آکر اُتاری اور پھینک دی تھی۔

مجھے ایک اور شک ہونے لگا۔ یہ لاش جس عورت کی بھی تھی، اسے سب انسپکٹر ہُل داس نے مروایا ہوگا۔ لاش کی غلط شناخت کرا کے اُس نے اپنے جُرم پر پردہ ڈال لیا تھا۔

"وہ جُوتی شاید مِل جائے"۔۔۔ ایک کانسٹیبل نے کہا۔۔۔ "تھانے میں ایک بھنگی اور اُس کی بیوی کام کرتے ہیں۔ جُوتی بھنگن نے اُٹھا لی تھی۔۔۔ شلوار قمیض کے ٹکڑے چھوٹے چھوٹے تھے۔"

"رنگ یاد ہے؟"

"لال یا جامنی"۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا اور دونوں کانسٹیبلوں نے تائید کی۔

"لاش کس سے اٹھوائی گئی تھی؟"

"گاؤں سے ایک مُسلی اور ایک بھنگی آئے تھے۔"

میں نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ وہ متعلقہ گاؤں جائے اور اُن دونوں کو ساتھ لے آئے اور ایک کام یہ بھی کرتا آئے کہ جہاں سے لاش برآمد ہوئی تھی وہاں جائے۔ شاید کپڑوں کا کوئی ٹکڑا وہاں پڑا مل جائے۔

اُسے بھیج کر میں نے بھنگن کو بلایا۔ میں نے سوچا کہ لڑکی گھر سے ننگے پاؤں نکلی ہوگی اور جس کے ساتھ گئی ہے وہ دوسری جُوتی ساتھ لایا ہوگا تاکہ گھرانہ پہچانا جا سکے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو وہ آدمی جرائم کا تجربہ رکھتا

ہوگا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ جرائم پیشہ ہو۔

مجھے بتایا گیا کہ بھنگی یہاں نہیں ہے۔ اُسے ڈھونڈ لانے کے لئے ایک کانسٹیبل چلا گیا۔ میں سول سرجن کے پاس چلا گیا۔ اُسے پوسٹ مارٹم رپورٹ دکھائی۔ کیس چند دن پہلے کا تھا۔ اُسے یاد آگیا۔ میں نے اُسے اپنا مسئلہ بتایا۔ اس نے پوچھا کہ لاپتہ لڑکی کی عمر کتنی تھی۔ میں نے انیس سال بتائی۔ رنگ بھی بتایا۔

"لاش کی حالت ایسی تھی کہ اُس کی روح واپس آجاتی تو وہ بھی اپنے جسم کو نہ پہچان سکتی"۔ ڈاکٹر نے کہا ـــ "سر کے بال باقی تھے۔ ایک ٹانگ کا کچھ حصّہ محفوظ تھا اور جسم پر کہیں کہیں گوشت تھا۔ چہرہ تو سمجھو کہ تھا ہی نہیں"۔ ڈاکٹر نے ذرا سوچ کر کہا ـــ "لاش جوان عورت کی معلوم ہوتی تھی اور غالباً رنگ بھی ایسا ہی تھا لیکن یہ صرف قیاس ہے"۔

ڈاکٹر میری راہنمائی کرنے سے معذور تھا۔ وہ موت کا وقت بھی نہ بتا سکا۔

میں وہاں سے تھانے آیا تو بھنگن موجود تھی۔ اُس سے لاش کی جُوتی کے متعلق پوچھا تو اُس نے بتایا کہ اُس نے وہی جُوتی پہن رکھی ہے بِل واس نے جُوتی پھینک دی تھی۔ بھنگن نے اُٹھا کر پہن لی۔ میں نے جُوتی اُتروا کر اپنے دفتر میں رکھوالی۔

کیا لڑکی اپنی مرضی سے گئی؟

ہیڈ کانسٹیبل گاؤں سے واپس آیا تو سورج غروب ہونے کو تھا۔ وہ کپڑے کا ایک بالشت ٹکڑا لے آیا تھا۔ اُس کے ساتھ مُسلی اور بھنگی کے علاوہ شکوری کا باپ بھی تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل عقل والا آدمی تھا۔ وہ کپڑے کا ٹکڑا شکوری کے گھر لے گیا اور دُھلوا کر اُس کی ماں کو دکھایا تھا۔ ماں نے کہا تھا کہ شکوری نے اس رنگ کے کپڑے کبھی نہیں پہنے تھے اور

جس رات وہ لاپتہ ہوئی اُس رات اُس نے لٹھے کی شلوار اور سوتی کپڑے کی سفید قمیض پہنی ہوئی تھی۔

میں نے جُوتی شکوری کے باپ کو دکھائی۔ اُس نے کہا کہ شکوری کی کوئی جُوتی اس قسم کی نہیں تھی۔ باپ کو یقین تو تھا لیکن جُوتی شکوری کی ماں کو دکھانی ضروری تھی۔ مجھے ایسے کرنا تو نہیں چاہیئے تھا لیکن میں نے جُوتی ایک کپڑے میں لپیٹ کر شکوری کے باپ کو دے دی اور اُسے کہا کہ یہ کسی اور کو نہ دکھائے، اپنی بیوی کو دکھا کر کل علی الصبح میرے پاس لے آئے۔ میں شکوری کی ماں کو بار بار تھانے بلانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ شکوری کے باپ کو میں قابلِ اعتماد سمجھنے لگا تھا۔ اُسے میں نے رخصت کر دیا۔

مُسلی اور بھنگی نے بھی لاش کی حالت بیان کی۔ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ لاش کو چارپائی پر اس طرح ڈالیں کہ اس کا کوئی حصّہ الگ نہ ہو۔ اُنہوں نے یہ کام کر دیا۔ چارپائی گاؤں کے چار آدمی اُٹھا کر قصبے کے سول ہسپتال تک لے گئے تھے۔ مُسلی اور بھنگی نے بتایا کہ لاش کے کپڑے لاش کو کھانے والے درندوں نے بُری طرح پھاڑ ڈالے تھے۔ جُوتیاں دونوں پاؤں میں تھیں۔

لاش تقریباً دو فٹ گہرے گڑھے میں دفن کی گئی تھی۔ بارش اتنی زیادہ برسی کہ لاش ننگی ہوگئی اور گیدڑ اور اُود بلاؤ وغیرہ پہنچ گئے۔ وہ ویران علاقہ تھا۔ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ اتفاق سے ایک آدمی گزرا اور اُس نے گاؤں کے نمبردار کو اطلاع دی۔ اُس وقت تک لاش کھائی جا چکی تھی۔

مُسلی اور بھنگی سے میں نے اپنے کام کی باتیں معلوم کر لیں اور انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

اگلے تین دن دوسرے کیسوں میں گزر گئے۔ اس کیس کی طرف میں توجہ نہ دے سکا۔ چوتھے روز اے۔ ایس۔ آئی نارائن لائن حاضر

ہونے کے لئے چلا گیا اور اُسی رات میرے پاس ایک اور اے۔ ایس۔ آئی آگیا۔ وہ بھی ہندو تھا۔ اُس نے بتایا کہ میری رپورٹ پر سب انسپکٹر بِمل داس کو بھی لائن حاضر کر دیا گیا ہے۔

کپڑوں کے ٹکڑے اور جُوتی کی وجہ سے میں اب اعتماد اور دلیری سے بات کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ شکوری کا باپ جُوتی واپس کر گیا تھا۔ اُس کی بیوی نے کہا تھا کہ یہ جُوتی شکوری کی نہیں۔ لہٰذہ یہ لاش شکوری کی نہیں تھی۔

میں نے ایک اور ثبوت حاصل کر لیا۔ جس روز بارش برسی تھی اُس وقت میں اس تھانے میں نہیں آیا تھا۔ وہاں بارش تو چند دِنوں کے وقفے سے برستی ہی تھی۔

میں نے اُس بارش کی تاریخ معلوم کر لی جس نے لاش ننگی کر دی تھی۔ یہ میں نے تھانے کے عملے سے اور کچھ اور لوگوں سے معلوم کی تھی۔ میں نے لڑکی کی گمشدگی کی تاریخ دیکھی تو وہ ایک روز بعد کی تھی۔ مجھے اب یہ حساب اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ اتنا یاد ہے کہ لڑکی کے لاپتہ ہونے کی تاریخ، بارش کی تاریخ اور لاش کی برآمدگی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر دیکھا تو ان میں مطابقت نہیں بنتی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ تو صاف لکھا تھا کہ لاش پر جو گوشت رہ گیا تھا (خصوصاً ایک ٹانگ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ مقتولہ کو مرے دو سے زیادہ دن گزر گئے ہیں لیکن دن اور وقت کا صحیح تعین نہیں کیا جا سکا تھا۔

اس دوران سب انسپکٹر بِمل داس کا زبانی پیغام ملا کہ میں اُس کی نوکری کو بچانے کی خاطر اس کیس کو آگے نہ بڑھنے دوں۔ اُس نے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ وہ میری خدمت میرے مطالبے کے مطابق کرنے کو تیار ہے۔ میں نے اُسے جواب بھیجا کہ مجھے بھی نوکری کرنی ہے اور یہاں بھی کسی کے آگے جوابدہ ہوں اور خدا کے آگے بھی!

ابھی یہ معلوم کرنا باقی تھا کہ لڑکی اپنی مرضی سے گئی ہے یا اُٹھائی

گئی ہے۔

یہ مجھے اُس کی سہیلیوں سے معلوم ہو سکتا تھا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ گاؤں جاؤں گا اور شکوری کے گھر بیٹھ کر اُس کی سہیلیوں سے پوچھوں گا۔ میں چلنے ہی لگا تھا کہ اس گاؤں کا نمبردار آگیا۔ نمبردار تھانیداروں کے زرخرید غلام ہوتے تھے اور دھوکہ بھی دے جاتے تھے لیکن یہ نمبردار میرے آگے بچھنے کو تیار رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لاش کی شناخت کے متعلق اُس کا جھوٹا بیان اس کیس کے ریکارڈ میں تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ میں اُس کے خلاف کارروائی کروں گا۔ نمبردار کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ نمبردار ہندو تھا اور یہ بوڑھا مسلمان۔

"ملک صاحب!" نمبردار نے مجھے الگ کر کے کہا — "ایک اطلاع لایا ہوں۔ آپ غور کریں۔ اگر بہتر سمجھیں تو گمشدگی کی ایک اور رپورٹ درج کر لیں .... یہ بوڑھا جو میرے ساتھ آیا ہے، اس کا جوان بیٹا جو دو بچوں کا باپ ہے، پندرہ سولہ دِنوں سے لاپتہ ہے۔"

"شکوری کو لاپتہ ہُوئے اتنے ہی دن گزر چکے ہیں نا!" — میرے مُنہ سے نکل گیا۔

"میں نے حساب کیا ہے" — اُس نے کہا — "وہ شکوری کے لاپتہ ہونے کے تیسرے روز کہیں گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔"

ایک ہی بار بہت سے سوال میرے سامنے آگئے۔ مجھے ایسے نظر آنے لگا جیسے شکوری اس آدمی کے لئے گھر سے گئی ہے۔ یہ آدمی شکوری کو رات ہی رات کہیں چھوڑ آیا اور دو تین روز بعد گاؤں میں موجود رہا تاکہ اُس پر شک نہ ہو۔

میں نے اس آدمی کے متعلق نمبردار سے سب کچھ پوچھ لیا۔ اُس نے بتایا کہ یہ بوڑھا اپنے بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے آیا ہے۔

ایک مُخبر لاپتہ ہو گیا

گمشدہ بیٹے کا نام علی رضا تھا۔ ان لوگوں کی زمینداری اچھے پیمانے کی تھی۔ علی رضا کی عمر ستائیس اٹھائیس سال تھی۔ خوبصورت جوان تھا۔ وہ پولیس کا مخبر بھی تھا۔ سب انسپکٹر بہل داس اس پہ اعتبار کرتا تھا۔ علی رضا غنڈوں کی طرح بدمعاش نہیں تھا لیکن وہ شریف آدمی بھی نہیں تھا۔

"شکوری کے ساتھ اس کا کوئی تعلق تھا؟"

"شاید نہیں" — نمبردار نے جواب دیا — "میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا علی رضا اور شکوری کے باپ کا دوستانہ تھا؟" — میں نے پوچھا — "علی رضا اُن کے گھر جاتا تھا؟"

"نہیں" — نمبردار نے جواب دیا — "شکوری کا گھرانہ بہت شریف ہے۔"

"اگر میں کہوں کہ شکوری کو علی رضا نے غائب کرایا ہے اور تین چار روز بعد اسے کسی کے ہاتھ بیچنے کے لئے چلا گیا ہے تو تم کیا کہو گے؟ کیا علی رضا اتنا سنگین جرم کر سکتا ہے؟"

"نہیں" — نمبردار نے جواب دیا — "اس میں اتنی دلیری نہیں۔"

میری راہنمائی کے لئے صرف نمبردار ہی نہیں تھا اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ شکوری کو علی رضا نے ہی اغوا کرایا ہو یا شکوری علی رضا کے ساتھ خود گئی ہو۔ مجھے سراغرسانی کے لئے کئی اور ذرائع استعمال کرنے تھے۔ میری کمزوری یہ تھی کہ میں اس علاقے میں نیا تھا۔ مخبروں کے ساتھ میرا تعارف کرایا گیا تھا۔ بعض کا تعارف غائبانہ ہوا تھا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ بہل داس نے علی رضا کا نام لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کہیں باہر چلا

گیا ہے۔

"شنکر!" — میں نے نمبردار سے پوچھا — "گاؤں میں اس قسم کی کوئی عورت ہے؟"

"بڑی پکی عورت ہے جی!" — اس نے میرا اشارہ سمجھتے ہوئے جواب دیا — "حکم ہو تو بھیج دوں؟ آسمان سے تارے توڑ لاتی ہے۔"

میں نے ایک کانسٹیبل کو بلا کر نمبردار شنکر سے کہا کہ وہ اس کانسٹیبل کو اس عورت کا گھر سمجھائے۔ کانسٹیبل سے کہا کہ وہ اس عورت کو ساتھ لے آئے۔ وہ چلا گیا تو میں نے علی رضا کے باپ کو بلایا اور اس سے علی رضا کے متعلق پوچھا۔

"وہ اتنے دنوں کے لئے گھر سے باہر کبھی نہیں گیا تھا" — علی رضا کے باپ نے بتایا — "اگر دو تین دنوں کے لئے کہیں جاتا تھا تو گھر بتا کر جاتا تھا۔ اب وہ کچھ بھی نہیں بتا کر گیا اور سولہ سترہ دن گزر گئے ہیں۔ جہاں جہاں خیال تھا کہ وہ گیا ہوگا وہاں سے پوچھ آیا ہوں۔ اس کی ماں اور بیوی بہت پریشان ہیں۔"

"تمہیں کیا شک ہے؟" — میں نے اس کے باپ سے پوچھا — "کیا تم اس کی جان کا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟"

"وہ جہاں کہیں ہے، خدا اسے زندہ اور تندرست رکھے" — باپ نے روتی ہوئی آواز میں کہا — "مجھے اس کی جان کا ڈر ہے۔"

"کسی کے ساتھ دشمنی تھی؟"

"چور اور ڈاکو اس کے دشمن تھے" — اس نے کہا — "وہ پولیس کا مخبر تھا۔ اس نے کئی مجرم پکڑوائے تھے۔"

مجھے یہی امکان نظر آیا۔ مخبروں کو ہم خفیہ رکھا کرتے تھے لیکن بڑے ڈاکوؤں کے جاسوس تھانوں میں موجود ہوتے تھے۔ ان سے وہ معلوم کر لیتے تھے کہ مخبری کس نے کی ہے۔ اس طرح مخبروں کی جان خطرے میں رہتی تھی۔ علی رضا کے معاملے میں میری دلچسپی یہ تھی کہ اس کے لاپتہ

ہونے کا تعلق شکوری کے لاپتہ ہونے کے ساتھ ہے یا نہیں۔

میں اس کے مطابق تفتیش کر رہا تھا۔

علی رضا کے باپ نے مجھے کہا کہ میں باقاعدہ رپورٹ درج کروں یا جو کچھ بھی کروں، میں علی رضا کو ڈھونڈنے کا انتظام کروں۔ مجھے جو نیا اے۔ ایس۔ آئی دیا گیا تھا، وہ عمر کے لحاظ سے تجربہ کار نظر آتا تھا۔ میں نے علی رضا کی گمشدگی کا یہ کیس اُسے دے دیا اور اُسے یہ بھی کہا کہ وہ خیال رکھے کہ علی رضا کی گمشدگی کا تعلق شکوری کی گمشدگی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

لاپتہ ہوجانے والوں کی تلاش کے لئے [illegible] باقاعدہ کارروائیاں کی جاتی ہیں۔ دوسرے تھانوں کو لاپتہ فرد کا حلیہ اور عمر وغیرہ لکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ کارروائیاں ہوتی ہیں۔ میں آپ کو اِن کارروائیوں کی تفصیلات میں نہیں لے جا رہا۔ اس میں بوریت کے سوا کچھ نہیں۔

میں نے علی رضا کے باپ کو اے۔ ایس۔ آئی کے حوالے کیا اور نمبردار کو ساتھ لے کر اُس کے گاؤں کو چل پڑا۔ راستے میں نمبردار سے سوال جواب کرتا گیا۔ اُس نے بتایا کہ شکوری بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ علی رضا کی بات ہوئی تو اُس نے بتایا کہ یہ شخص عورتوں کا رسیا ہے۔ نمبردار نے خیال ظاہر کیا کہ علی رضا کسی عورت کے پیچھے پڑ گیا ہوگا اور عورت نے اسے اپنے خاوند یا بھائیوں کے ہاتھوں مروا دیا ہوگیا۔

یہ تو مردوں کی عادت ہے

شکوری کے گھر جا کر پہلے تو ان کا مکان دیکھا۔ شکوری الگ کمرے میں سوتی تھی جو اُس کمرے کے ساتھ ملا ہُوا تھا جس میں اُس کا باپ اور اُس کی ماں سوتی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان دروازہ تھا۔ شکوری کے کمرے

کا دوسرا دروازہ برآمدے میں کھُلتا تھا۔ جس رات شکوری گئی اُس رات یہ دروازہ اندر سے کھُلا ہُوا پایا گیا تھا۔

اب اتنے دِنوں بعد یہ موقعہ دیکھنا بیکار تھا۔ میں نے شکوری کی ماں سے پوچھا کہ شکوری کی گہری سہیلیاں کون کون ہیں۔ اُس نے تین کا نام لیا۔ میں نے نمبردار سے کہا کہ وہ تینوں گھروں میں جاتے اور ان لڑکیوں کو بُلا لاتے اور ان کے باپوں کو بھی ساتھ لیتا آتے۔

تھوڑی دیر بعد تین لڑکیاں آگئیں۔ ان کے باپ ساتھ تھے۔ میں نے باپوں کو اپنے پاس بٹھا کر کہا کہ کوئی فکر نہ کریں نہ ڈریں۔ ان لڑکیوں سے شکوری کے متعلق کچھ پُوچھنا ہے۔ انہیں تسلیاں دے کر میں نے ایک لڑکی کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اُسے بتایا کہ اُس کی سہیلی قتل نہیں ہوئی زندہ ہے۔

"کہاں ہے؟" — اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی تو میں معلوم کر رہا ہوں" — میں نے کہا — "تم میری کچھ مدد کرو۔ میں اُسے انشاء اللہ زندہ لے آؤں گا... مجھے یہ بتاؤ کہ شکوری کسی اور کو چاہتی تھی؟"

"نہیں جی!" — لڑکی نے پکے یقین کے لہجے میں کہا — "مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ کسی اور کو نہیں چاہتی تھی۔ منگنی ہوئی تو اس پر وہ بہت خوش تھی۔"

"لاپتہ ہونے سے پہلے وہ تمہیں کب ملی تھی؟"

"دو روز پہلے!"

"اُس روز بھی وہ خوش تھی؟" — میں نے پوچھا — "تم نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی تھی؟"

"کوئی تبدیلی نہیں دیکھی" — لڑکی نے جواب دیا۔

اس لڑکی کے بعد میں نے دوسری دو سہیلیوں سے باری باری پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے بھی ایسی ہی باتیں بتائیں۔ میں نے ان پر بہت جرح کی تھی

لیکن تینوں لڑکیوں نے کہا کہ شکوری کسی کو نہیں چاہتی تھی اور اپنی منگنی پر وہ بہت خوش تھی۔

میں نے لڑکیوں کو فارغ کر دیا اور شکوری کے ماں باپ کو تسلی دی کہ میں ان کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالوں گا۔

"آ بھی گئی تو کیا ہو گا"۔ شکوری کی ماں نے کہا ۔۔۔ "بدنامی تو ہمارے منہ پر مل گئی ہے۔ پہلے یہ جانتے ہوئے کہ یہ لاش ہماری بیٹی کی نہیں ہم نے کہہ دیا تھا کہ ہماری بیٹی کی لاش ہے۔ تھانیدار نے ہماری بے عزتی تو بہت کی تھی لیکن ہم نے سب سے کہا کہ لڑکی کو کوئی اٹھا لے گیا اور اسے قتل کر دیا ہے۔ اب آپ نے اسے پھر زندہ کر دیا ہے تو یہ بات سارے گاؤں میں مشہور ہو گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی بیٹی کسی کے ساتھ چلی گئی ہے۔ ہم نے بیٹی کی منگنی کر دی تھی۔ ادھر سے پیغام آیا ہے کہ لڑکی کا چال چلن ٹھیک نہیں۔ انہوں نے منگنی توڑ دی ہے۔ وہ آ گئی تو اسے کون قبول کرے گا"۔

ان کے اس مسئلے کا میرے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ پہلے لڑکی مل جائے تو دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ یہ طفل تسلی تھی جو میں نے انہیں دی اور نمبردار کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ اسے کہا کہ اس عورت کو لے آؤ۔

وہ ایک عورت کو ساتھ لے آیا۔ اس کی عمر تیس سال سے اوپر تھی۔ اچھی شکل وصورت کی عورت تھی۔ اس قسم کی عورتوں کے متعلق میں اپنی کہانیوں میں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ یہ ایک سیدھے سادے بلکہ احمق اور بڑے ہی بدصورت خاوند کی بیوی تھی۔ چہرے اور آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ تیز عورت ہے۔ گھر گھر کی خدمت کرتی اور روزی کماتی تھی۔ خفیہ پیغام بھی ادھر ادھر لے جاتی تھی۔ نمبردار اسے مخبری کے لئے بھی استعمال کیا کرتا تھا۔ یہ اس کا ذریعہ معاش بھی تھا اور شغل بھی۔

میں نے نمبردار کو باہر بھیج دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ۔۔۔ میں نے اس عورت سے پوچھا۔

"اپنا پورا نام تو مجھے بھی یاد نہیں رہا" ۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا ۔۔۔ "ماں باپ سلّو کہا کرتے تھے۔ گاؤں والے بھی سلّو کہتے ہیں آپ بھی سلّو کہہ لیں"۔

اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی، اسے میں بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ یہ بڑی کشش والی مسکراہٹ تھی جس میں یہ پیغام ہوتا ہے ۔۔۔ "میں تمہاری ہوں"۔ ۔۔۔ سلّو کی آنکھوں میں ایک تاثر تھا۔ عام قسم کا آدمی اس تاثر سے بچ نہیں سکتا تھا۔ ان آنکھوں میں اور اس مسکراہٹ میں جو حسن تھا اس میں شرم اور حیا نہیں تھی۔

"سلّو!" ۔۔۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور مسکرا کر کہا ۔۔۔ "تم تو میرے کام کی چیز ہو۔ نمبردار نے تمہاری بہت تعریفیں کی ہیں۔ میں تمہیں تھانے کا سرکاری اور خفیہ مخبر بنا لوں گا۔ ماہوار تنخواہ لگوا دوں گا اور انعام الگ ہو گا۔ تم نمبردار کے لئے مخبری کرتی ہو۔ کرتی رہو لیکن وہ تمہیں کیا دیتا ہے؟"

"تہواروں پر کچھ دے دیتا ہے" ۔ اس نے کہا ۔۔۔ "اور .... کیا بتاؤں ...."

"اور وصول بھی کر لیتا ہے" ۔۔۔ میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"آپ خود سیانے ہیں" ۔۔۔ اس نے بڑی ننگی مسکراہٹ سے کہا ۔۔۔ "کبھی اس کی بیوی گھر نہ ہو تو اپنے گھر بلا لیتا ہے یا میرا خاوند گھر نہ ہو تو میرے گھر آ جاتا ہے .... اور جو دیتا ہے وہ پورا کر لیتا ہے .... آپ حکم کریں"۔

"میرا کوئی حکم نہیں سلّو!" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "جو کام کرو گی اس کے پیسے دلاؤں گا اور میرا ہاتھ ہمیشہ تمہارے سر پر رہے گا۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں جو پوچھوں وہ بالکل سچ بتا دینا .... کیا تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

"وہ ایک لڑکی کہیں چلی گئی ہے" ۔ اس نے کہا ۔۔۔ "شکوری ...."

آپ شاید اُس کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں!"

"ہاں!" ــــ میں نے کہا ــــ "پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیسی لڑکی تھی؟"

"صاف لڑکی تھی" ــــ سلّو نے کہا ــــ "نیک اور بالکل پاک میں حیران ہوں کہ وہ کس طرح چلی گئی ہے۔"

"تم اناڑی معلوم ہوتی ہو" ــــ میں نے کہا ــــ "کیا تم نے ایسی بدچلن عورت کبھی نہیں دیکھی جو سات پردوں میں بیٹھی رہتی ہے؟"

"میں ویسے ہی بات نہیں کر رہی" ــــ اُس نے کہا ــــ "علی رضا اس لڑکی کو چاہتا تھا۔ وہ دو بچوں کا باپ ہے مگر جس عورت پر نظر رکھ لے اُس پر وہ بہت خرچ کرتا ہے۔ شکوری باہر بھی نکلا کرتی تھی۔ علی رضا اُس کے راستے میں کھڑا ہو جاتا تھا لیکن شکوری نے کبھی اُس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ علی رضا اس لئے شیر ہو گیا تھا کہ شکوری کا کوئی بھائی نہ تھا۔ باپ اُس کا بوڑھا اور بھلا مانس ہے.... علی رضا نے مجھے کہا کہ شکوری تک پیغام پہنچا دو۔ میں نے شکوری کے گھر آنا جانا شروع کر دیا اور اُس کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر لی۔"

"علی رضا کون ہے؟" ــــ میں نے انجان بن کر پوچھا ــــ "کوئی جاگیردار ہے یا...."

"جاگیردار تو نہیں" ــــ سلّو نے جواب دیا ــــ "امیر زمیندار ہے۔ بہت دنوں سے کہیں گیا ہوا ہے۔"

"تمہارے خاوند کی طرح اُس کی بیوی اچھی شکل و صورت کی نہیں ہو گی" ــــ میں نے کہا۔

"آپ دیکھیں تو حیران رہ جائیں کہ یہ شخص اتنی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوئے باہر جھک مارتا پھر رہا ہے" ــــ سلّو نے کہا ــــ "لیکن سرکار جی! بیوی نے بھی پورا انتقام لیا ہے۔ معمولی سے ایک آدمی کے ساتھ اُس نے یارانہ گانٹھ رکھا ہے۔ آپ سیانے ہیں۔ جس گھر کا مرد عیش موج کرے گا تو اُس گھر کی جوان عورتیں بھی اُسی راستے پر چلیں گی۔"

"سُنا ہے شکوری بہت خوبصورت لڑکی ہے!" ــــ میں نے کہا۔

"خوبصورت تو ہے" ــــ سلّو نے کہا ــــ "لیکن اُس کا چہرہ بڑا معصوم ہے اس لئے بہت اچھا لگتا ہے۔"

سلّو نے مجھے وہ الفاظ بتائے اور وہ طریقے بھی بتائے جو اُس نے شکوری کے دل پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کئے تھے۔ یہ بڑا مشکل فن ہے۔ سلّو تجربہ کار فنکارہ تھی۔ اُس نے اُستادی سے شکوری کو سہیلی بنا لیا اور ایک روز اُس کے آگے علی رضا کا پیغام رکھ دیا۔ یہ ناجائز دوستی کا پیغام تھا۔ شکوری نے اُسے ٹال دیا لیکن شریفانہ طریقے سے۔

سلّو کا یہ پیشہ تھا۔ وہ اس قسم کی بات کرنے کا ڈھنگ جانتی تھی۔ اُس نے ایک روز پھر شکوری سے کہا کہ علی رضا اُس کی محبت میں پاگل ہوا جا رہا ہے۔ شکوری نے اب سختی سے سلّو کو ایسی بکواس سے منع کیا۔

"میں نے علی رضا کو مایوس نہ کیا" ــــ سلّو نے مجھے بتایا ــــ "اُس سے مجھے پیسے ملتے تھے۔ میں اُسے کہتی تھی کہ شکوری مان جائے گی.... ایک روز علی رضا نے مجھے راستے میں روک لیا اور بہت گالیاں دیں۔ میں اُسے بتاتی رہتی تھی کہ شکوری نے اُس کی محبت قبول کر لی ہے لیکن کنواری ہے اور ناتجربہ کار اس لئے ڈرتی اور شرماتی ہے۔ علی رضا کو شکوری کہیں جاتی مل گئی۔ علی رضا نے اُسے روک لیا اور کوئی بات کہہ دی۔ شکوری نے اس کی بے عزتی کر دی اور اُسے کہا کہ میں تیرے مُنہ میں پیشاب بھی نہ کروں۔ علی رضا مجھے کہتا تھا کہ میں نے اُسے دھوکے میں رکھا اور اُس کی بے عزتی کروائی ہے۔ پھر ایک روز شکوری نے میری بھی بے عزتی کر دی اور کہا کہ آئندہ میرے گھر نہ آنا۔ میں نے وہاں جانا چھوڑ دیا۔"

"علی رضا نے کوئی دھمکی دی تھی؟"

"کہتا تھا بے عزتی کا انتقام لوں گا" ــــ سلّو نے جواب دیا ــــ "یہ تو مردوں کی عادت ہے۔ کسی عورت سے جُوتے کھا کر یہ تو ضرور ہی کہتے ہیں کہ بے عزتی کا بدلہ لوں گا لیکن وہ راستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں جس پر

اُس عورت کو دیکھ لیتے ہیں۔"

"سلّو! ایک بات اچھی طرح سُن لو" — میں نے اُسے کہا — "مجھے تم پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ اگر شکوری کو علی رضا نے اغوا کرایا ہے اور اس میں تمہارا ہاتھ بھی ہے تو مجھے ابھی بتا دو۔ اگر بعد میں مجھے تمہارے خلاف کوئی ثبوت مل گیا تو دس سال سے کم سزا نہیں ہوگی۔ شکوری اگر قتل ہوگئی ہے تو عمر قید دلاؤں گا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اس گاؤں میں میرے کتنے مخبر ہیں۔"

اُس نے قسمیں کھانی شروع کر دیں۔ قسموں کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا۔

تھانیداروں کا رعب تو آج بھی ہے لیکن وہ بات نہیں رہی جو میرے وقتوں میں تھی۔ تھانیدار کو دیکھ کر لوگ ایک طرف ہٹ جاتے اور جھک کر سلام کرتے تھے، اور مجھ جیسے جن جنونی اور خبطی تھانیداروں کو "چائے پانی" کا لالچ نہیں ہوتا تھا، اُن سے تو لوگ بدکتے اور خوف کھاتے تھے۔ سلّو میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ایک تھانیدار کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی۔ پھر بھی میں نے اس عورت کو شک کی نگاہوں سے دیکھا اور اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکالنے کے لئے اُسے بہت کچھ کہا۔ بعض انسانوں کی ڈھیٹ پن کی ہڈی بڑی مضبوط ہوتی ہے۔

"سلّو!" — میں نے اُسے کہا — "میں لڑکی برآمد کر ہی لوں گا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اس گاؤں میں مخبر ہیں۔ تم پر بھی مخبر لگے ہوتے ہیں۔ میں تمہیں کچھ فائدہ دینا چاہتا ہوں۔ اگر تم کچھ اتا پتہ دو گی تو انعام سے تمہاری جھولی بھر دوں گا۔"

"ایک بات کہوں؟" — اُس نے کہا — "آپ شاید اسے جھوٹ کہیں گے ..... شکوری نے علی رضا کی بے عزتی کی تھی اور وہ کہتا تھا کہ بے عزتی کا بدلہ لوں گا۔ شکوری نے میری بھی بے عزتی کی تھی لیکن میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ بدلہ لوں گی۔ میں بڑی پاپی ہوں سرکار جی! لیکن یہ لڑکی شکوری اتنی پاک اور معصوم ہے کہ میرے دل پر بیٹھ گئی ہے۔ میں اُس کی تلاش میں

دن رات ایک کر دوں گی۔"

لڑکی چالاک اور شوباز تھی

میں گاؤں سے کوری تختی لے کر آ گیا۔ اتنا سا ہی معلوم ہوا کہ شکوری بڑے صاف ستھرے اور پکے چال چلن کی تھی اور وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔ سلّو نے مجھے کوئی کارآمد بات بتانے کی بجائے شک میں ڈال دیا۔ شک یہ تھا کہ شکوری کو علی رضا نے اغوا کیا یا کروایا ہے۔

علی رضا کے لاپتہ ہونے کا کیس اے۔ ایس۔ آئی کے پاس تھا۔ میں نے تھانے جا کر اے۔ ایس۔ آئی کو اپنا شک بتایا اور اُسے کہا کہ وہ تفتیش اس شک کے مطابق کرے۔

اے۔ ایس۔ آئی کے ساتھ باتیں کرتے مجھے خیال آیا کہ وہ عورت کون تھی جس کی کھائی ہوئی لاش ملی تھی؟ اتنے زیادہ دن گزر گئے تھے، کسی طرف سے کسی عورت کے لاپتہ ہونے کی رپورٹ نہیں آئی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ کسی دوسرے تھانے کا کیس ہوگا۔ اس عورت کو کسی اور جگہ قتل کر کے میرے علاقے میں لاش لا کر دبا دی گئی تھی۔

اتنے دن گزر جانے کے باوجود کسی تھانے سے اطلاع نہیں آئی تھی کہ اس حلیے اور اتنی عمر کی ایک عورت لاپتہ ہے۔ میرے پاس اس عورت کے کپڑوں کا ایک ٹکڑا اور اُس کی جوتی تھی جو میں نے ضرورت کے وقت کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ ایسی اشیاء باقاعدہ ریکارڈ میں لکھی جاتی اور محفوظ رکھی جاتی ہیں کیونکہ عدالت میں پیش کرنی ہوتی ہیں۔

دو تین دن اور گزر گئے۔ میرے پاس دوسرے کیس بھی تھے۔ کیسوں کے علاوہ بھی کام تھے۔ میں بُری طرح مصروف رہا۔

ایک روز سلّو نمبردار کے ساتھ تھانے آ گئی۔ وہ ایک خبر لائی تھی۔ اُس نے معمولی سے ایک کسان کی جوان اور غیر شادی شدہ بیٹی کی

انگلی میں ایک انگوٹھی دیکھی تھی جو اُس کی نہیں ہو سکتی تھی۔ سلّو کہتی تھی کہ یہ انگوٹھی شکوری کی ہے۔

انگوٹھی کی بات کرنے سے پہلے ایک ضروری بات بتا دیتا ہوں۔ اُس زمانے میں دیہات میں انگوٹھیاں ایک ہی ڈیزائن کی بنتی تھیں۔ ان میں لال رنگ کا نقلی اور چمکدار پتھر جڑا ہوا ہوتا تھا۔ باقی زیورات کا بھی ڈیزائن ایک جیسا ہوتا تھا۔ اُس وقت لوگ زیورات کے ڈیزائن نہیں وزن دیکھا کرتے تھے اور یہ کہ سونا خالص ہو، یعنی پاسا ہو، پاؤنڈ پاسا نہ ہو۔ منگنی پہ انگوٹھی دی جاتی تھی تو لڑکی والے یہ نہیں کہتے تھے کہ لڑکے والوں نے بڑے خوبصورت ڈیزائن کی انگوٹھی دی ہے، بلکہ کہتے تھے کہ اتنے وزن کی انگوٹھی دی ہے۔ شہروں میں نئے ڈیزائن رائج ہو گئے تھے جن میں کشتی نما ڈیزائن زیادہ مقبول ہوا تھا۔ اس میں انگوٹھی کا اوپر کا حصہ کشتی کی شکل کا اور جالی دار بنایا جاتا تھا۔ بعض میں چھوٹے چھوٹے نگ بھی جڑے جاتے تھے۔

سلّو نے کسان کی بیٹی کی انگلی میں یہ انگوٹھی دیکھی تھی۔ سلّو کو معلوم تھا کہ شکوری کی منگنی پر لڑکے والوں نے اُسے یہی یا اس قسم کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ یہ شہری ڈیزائن تھا جو گاؤں میں اس لئے آ گیا تھا کہ شکوری کا منگیتر فوجی تھا اور بڑی بڑی چھاؤنیوں میں رہتا تھا۔ یہ انگوٹھی اُس نے شہر سے بنوائی تھی۔ ایسی انگوٹھی ایک غریب کسان کی بیٹی کے پاس نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ غریب لوگ تھے اور اس لڑکی کی منگنی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُسے لڑکے والوں کی طرف سے انگوٹھی ملتی۔ اگر ملتی بھی تو انگوٹھی اس ڈیزائن کی نہ ہوتی۔

سلّو نے شنکر نمبردار کو بتایا۔ نمبردار نے اُسے کہا کہ اس لڑکی کو کسی بہانے شکوری کی ماں کے پاس یا اُس کے منگیتر کے گھر لے جائے اور انہیں پہلے بتا دے کہ وہ اس لڑکی کو کیوں لا رہی ہے۔ سلّو کو شکوری نے اپنے گھر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ اب شکوری گھر نہیں تھی۔ سلّو نے

شکوری کی ماں اور شکوری کے منگیتر کی ماں کو پہلے ہی بتا دیا کہ وہ ایک لڑکی کو اپنے ساتھ لائے گی۔ اس کی انگلی میں انگوٹھی ہے۔ سلّو نے انہیں کہا کہ اگر وہ انگوٹھی پہچان لیں تو خاموش رہیں۔

اس لڑکی کو کہیں لے جانا سلّو کے لئے مشکل نہ تھا۔ لڑکی خوبصورت تھی۔ اُس کے جسم کی ساخت اور قد کاٹھ میں کشش تھی۔ وہ شادی سے پہلے ہی خراب ہو گئی تھی۔ بہت تیز اور چالاک لڑکی تھی۔ مردوں کو انگلیوں پر نچاتی تھی۔ اُس کے ماں باپ اور ایک بھائی اس سے تنگ آ گئے تھے۔ لڑکی کسی کو پلّے نہیں باندھتی تھی لیکن شوباز تھی۔ ان عادتوں کی وجہ سے اُس کے رشتے کے لئے کوئی نہیں آتا تھا۔

شنکر نمبردار کی ترکیب کامیاب رہی۔ باقی کمال سلّو نے کر دکھایا۔ وہ لڑکی کو دونوں گھروں میں لے گئی اور دونوں ماؤں نے انگوٹھی پہچان لی۔ اتفاق یہ ہوا کہ یہ انگوٹھی شکوری کی انگلی میں ذرا کھلی تھی۔ یہ فرق اس طرح پورا کیا گیا کہ اس کے اس حصے پر جو باریک ہوتا ہے تھوڑا سا دھاگہ لپیٹ دیا گیا تھا۔ یہ دھاگہ ابھی تک لپٹا ہوا تھا کیونکہ اس لڑکی کی انگلی میں بھی یہ انگوٹھی کھلی تھی۔ اس لڑکی نے عادت کے مطابق دونوں گھروں میں انگوٹھی خاص طور پر دکھائی تھی۔

نمبردار نے بھی اس لڑکی کے متعلق مجھے کچھ باتیں بتائیں۔ میں نے نمبردار اور سلّو کو یہ کہہ کر گاؤں چلے جانے کو کہا کہ میں آ رہا ہوں۔

میرے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی

میں دو کانسٹیبلوں کے ساتھ گاؤں میں پہنچا تو نمبردار میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ میں اُس کے ساتھ چوپال پر چلا گیا۔ نمبردار سے کہا کہ وہ انگوٹھی والی لڑکی کو ساتھ لے آئے لیکن انگوٹھی اُس کی انگلی میں ہو۔ میں کچھ سوچ کر اُس کے گھر نہیں گیا تھا۔

پندرہ منٹ کے اندر اندر لڑکی آگئی۔ نمبردار میرے پاس اکیلا آیا۔ وہ ابھی میرے کردار سے واقف نہیں تھا۔ کچھ مجھے خوش کرنے کے لئے اور کچھ لڑکی کو دھوکے میں رکھنے کے لئے اُس نے ایک ڈھونگ کھیلا۔

"ملک حضور!" — اُس نے مسکرا کر کہا — "ہیروں میں ہیرا ہے ..... میں نے جوجی (لڑکی) سے کہا کہ بڑا تھانیدار تیری خواہش کرتا ہے۔ اس کی باچھیں کھل گئیں لیکن اپنا بھرم رکھنے کے لئے بولی کہ میں ایسی نہیں۔ میں نے کہا کہ تو جیسی بھی ہے، وہ تجھے چاہتا ہے..... بس، آگئی ساتھ۔ انگوٹھی اس کی انگلی میں ہے۔"

میں بھی جواب میں مُسکرایا اور اُسے کہا کہ لڑکی کو اندر بھیج دے۔ نمبردار گیا اور لڑکی آگئی۔ وہ اُس سے زیادہ خوبصورت تھی جتنا مجھے بتایا گیا تھا۔

وہ غریب باپ کی بیٹی لگتی ہی نہیں تھی۔ میں نے اُسے بیٹھنے کو کہا۔ دیہاتی خصوصاً عورتیں فرش پر بیٹھا کرتی تھیں۔ تھانیدار کے برابر بیٹھنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن یہ لڑکی میرے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ شرمانے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔

میں نے اُس کا وہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا جس کی انگلی میں انگوٹھی تھی۔ وہ میرے قریب سرک آئی۔ میں نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اُس نے اتنی قیمتی انگوٹھی پہن رکھی ہے۔ وہ اور زیادہ پھیل گئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کھلے کردار کی لڑکی ہے۔ اُس کی عمر اٹھارہ اُنیس سال ہو گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس لڑکی کا انجام کیا ہوگا۔ اپنی برادری اور گاؤں میں اس کا رشتہ کسی نے قبول نہیں کرنا تھا کیونکہ وہ بدنام ہو چکی تھی۔ ایسی لڑکیوں کی شادیاں اس طرح ہُوا کرتی تھیں (اب بھی ایسے ہی ہوتی ہیں) کہ گاؤں کے بڑے چوہدری صاحب کسی غریب کے بیٹے کو حکم دیتے تھے کہ فلاں لڑکی کے ساتھ شادی کر لے۔ شادی کرا کے وہ لڑکی کو اپنی خدمت

کے لئے استعمال کرتے رہتے تھے۔

جوجی جیسی لڑکیوں کے لئے ایک راستہ اور ہوتا تھا۔ یہ تھا کسی بردہ فروش کے جال میں آکر گھر سے اُس کے ساتھ بھاگ جانا اور فروخت ہو جانا۔ ایسی لڑکیاں نوابوں کو رشوت کے طور پر پیش کی جاتی تھیں اور آخر اُن کی منزل عصمت فروشی ہوتی تھی۔ جوجی تو خاص طور پر خوبصورت اور پُرکشش لڑکی تھی۔ اُس نے اپنا آپ مجھے پیش کر دیا تھا۔ یہ میں ہی جانتا ہوں کہ اتنے اشتعال انگیز حُسن کے آگے اپنے کردار کو قائم رکھنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ لذت تو گناہ میں بھی ہوتی ہے لیکن گناہ کے جال میں جا کر اپنے آپ کو بچا لانے میں جو لذت ہوتی ہے وہ رُوح کو سرشار کر دیتی ہے۔

"جوجی!" — میں نے بناوٹی جذباتی لہجے میں پوچھا — "یہ انگوٹھی کہاں سے لائی ہو؟ بہت پیاری انگوٹھی ہے۔ تمہاری انگلی میں تو یہ اور زیادہ اچھی لگتی ہے۔ یہ منگیتر کی طرف سے آئی ہو گی!"

"میرے بھائی نے مجھے شہر سے لا کر دی ہے" — اُس نے شرما کر جواب دیا — "میری ابھی منگنی نہیں ہوئی۔"

"جھوٹ نہ بولو جوجی!" — میں نے بڑے پیارے لہجے میں کہا — "میں تمہیں اس سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی انگوٹھی لا دوں گا..... دیکھو جوجی! میرا دل نہ توڑو۔ میں نے تمہیں گاؤں میں دیکھا تھا۔ تم نے تو میری نیند حرام کر دی ہے۔ میں نے نمبردار سے کہا کہ اس لڑکی کو میں ساری عمر اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ میں اپنی تھانیداری اور اپنا مال دولت اس لڑکی کے قدموں میں رکھ دوں گا۔"

لڑکی سرک کر میرے ساتھ لگ گئی۔ میں محسوس کر رہا تھا وہ غبارے کی طرح پھولتی جا رہی تھی۔

"لعنت بھیجو اُس آدمی پر جس نے تمہیں یہ انگوٹھی دی ہے" — میں نے کہا — "میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

اُس نے پھر اپنے بھائی کا نام لیا اور کہنے لگی ۔۔۔ "آپ کو اس سے کیا؟ دفع کرو، جس کسی نے بھی دی ہے۔"

"میں جانتا ہوں جوجی، تمہارے کتنے دوست ہیں" ۔۔۔ میں نے دوستانہ لہجے میں کہا ۔۔۔ "اگر جھوٹ بولو گی تو میں تمہیں دوست نہیں بناؤں گا۔"

اس طرح میں نے کچھ دیر بچوں جیسی باتیں کیں۔ آخر اُس نے گاؤں کے ایک آدمی کا نام لیا۔ میرے پوچھنے پر اُس نے یہ بھی بتا دیا کہ کتنے روز پہلے اس آدمی نے اُسے یہ انگوٹھی دی تھی۔

میں نے حساب لگایا۔ اس آدمی نے اُسے یہ انگوٹھی شکوری کے لاپتہ ہونے کے سات آٹھ روز بعد دی تھی۔ میں نے جوجی سے انگوٹھی کے متعلق ہی کچھ اور باتیں پوچھیں اور میرا لہجہ بھی سنجیدہ ہوتا گیا تو جوجی کے چہرے پر پریشانی نظر آنے لگی۔

"آپ کوئی اور بات کیوں نہیں کرتے؟" ۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "میں آپ کے ساتھ ...."

"سنو جوجی!" ۔۔۔ میں نے ظاہری پیار سے اُس کا گال تھپکا کر کہا ۔۔۔ "میں تمہارے ساتھ دوسری باتیں بھی کروں گا۔ پیار کی باتیں کروں گا۔ تم نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ایسی بات سامنے آگئی ہے کہ میں تمہیں اس سے بچانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس انگوٹھی کے متعلق سچ بتا دو۔"

"بتا تو دیا ہے" ۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ یہ انگوٹھی مجھے نصیر نے دی ہے۔ اُس کا نام نصیر ہے لیکن سب اُسے حوالدار کہتے ہیں۔ میں نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ اُس کے ساتھ میرا تعلق کیسا ہے۔ آپ کہیں گے تو میں اُس کے ساتھ دوستی توڑ دوں گی۔"

"یہ انگوٹھی چوری کی ہے جوجی!" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "یہ شکوری کی انگوٹھی ہے۔"

"وہ شکوری جو کہیں چلی گئی ہے؟" ۔۔۔ جوجی نے کہا ۔۔۔ "وہ تو قتل ہو گئی ہے۔ اُسے دفن بھی کر دیا گیا ہے۔"

"اِسے چھوڑ، اُسے کیا ہوا ہے" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ یہ انگوٹھی تم نے چوری کی ہے؟ اگر تم نے کی ہے تو مجھے ابھی بتا دو۔ میں تمہیں بچا لوں گا۔"

اُس نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ اُس نے چوری نہیں کی اور نصیر کو بلا کر اُس کے سامنے پوچھا جاتے۔

"صرف ایک بات آپ کو نہیں بتائی" ۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "نصیر نے مجھے کہا تھا کہ ایک امیر کبیر آدمی نے مجھے دیکھا تھا۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ شہر میں رہتا ہے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ مجھے وہ آدمی دکھا دو، کوئی بوڑھا یا بدصورت ہی نہ ہو۔ نصیر نے ایک روز بعد مجھے کہا کہ آج عصر کی اذان ہو تو کسی بہانے قبرستان میں آجانا اور وہ آدمی اُس کے ساتھ ہوگا....

"میں قبرستان میں گئی اور اُس آدمی کو نصیر کے ساتھ دیکھا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ بات کوئی نہ ہوئی۔ وہ آدمی میرے دل کو بہت اچھا لگا۔ نصیر نے مجھے کہا کہ چلی جاؤ۔ میں آگئی اور دوسرے دن نصیر نے مجھے یہ انگوٹھی دی اور کہا کہ اسے منگنی کی انگوٹھی سمجھو۔ مجھے اب نصیر کی مدد سے اس آدمی کے پاس چلے جانا تھا لیکن نصیر کہتا تھا کہ وہ آدمی کچھ دنوں بعد بتائے گا کہ میں کب گھر سے نکلوں۔"

"میری بات غور سے سنو جوجی!" ۔۔۔ میں نے اُسے کہا ۔۔۔ "تمہارے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ اگر نصیر کی نیت صاف ہوتی تو سیدھا طریقہ یہ تھا کہ وہ اُس آدمی کے لئے تمہارے ماں باپ سے تمہارا رشتہ مانگتا لیکن اُس نے پہلے خود تمہارے ساتھ ناجائز تعلق رکھا اور تمہیں چوری کی انگوٹھی دے کر کہہ دیا کہ اُس آدمی نے دی ہے جس کے ساتھ تمہاری ملاقات قبرستان میں ہوئی تھی۔ وہ آدمی تم جیسی لڑکیوں کا سوداگر ہوگا.... کیا تم فروخت ہونا چاہتی ہو؟ چکلے میں بیٹھنا چاہتی ہو؟"

میں نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ خوف کا تاثر بڑا صاف تھا۔ اُسے ڈرانے

کی اور اُس کے ساتھ زبان کی ہیرا پھیری کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چوری کی انگوٹھی پکڑی گئی تھی۔ اُس نے اُس آدمی کی نشاندہی کر دی تھی جس نے اُسے انگوٹھی دی تھی۔ مجھے اب ضرورت نہیں تھی کہ اُس لڑکی کی چاپلوسی کرتا لیکن میں نے یہ سوچ کر کہ اس لڑکی کو عدالت میں بھی پیش کرنا ہے۔ اس کے ساتھ پیار محبت جاری رکھا۔

میں نے انگوٹھی کی برآمدگی قانون قاعدے کے مطابق کرنے کے لئے گاؤں کے دو معززین بلائے اور ان کی موجودگی میں جوجی کا بیان تحریر کیا۔ اُس نے میرے کہنے پر انگوٹھی اتار کر میرے حوالے کر دی۔ اُس کے بیان پر معززین کے دستخط کرائے اور جوجی کو اپنے ہیڈ کانسٹیبل کے حوالے کر دیا۔ میں نے اُسے تسلی دی کہ وہ گھبرائے نہیں۔

نمبردار سے کہا کہ ایک کانسٹیبل کو ساتھ لے جائے اور نصیر عرف حوالدار کو لے آئے۔

قبرستان میں ملاقات، منگنی کی انگوٹھی

پندرہ بیس منٹ بعد نصیر عرف حوالدار میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بلانے سے پہلے میں نے نمبردار سے اُس کے متعلق پوچھ لیا تھا۔ نصیر کے خاندان کی اپنی زمین تھی اور نصیر بدمعاشوں کی منڈلی میں جا بیٹھا تھا۔ وہ ابھی تک کسی واردات میں گرفتار نہیں ہوا تھا۔ گاؤں سے ہفتہ دس روز کے لئے غائب بھی ہو جاتا تھا۔ اُونچی قسم کا جوئے باز تھا۔ گاؤں میں ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ پیار محبت اور احترام سے پیش آتا تھا۔ نمبردار کو یہ بھی معلوم تھا کہ جوجی کے ساتھ اُس کے تعلقات ہیں۔

"نصیر دوست!" — میں نے اُسے کہا — "ذرا سی بھی ہیرا پھیری نہیں چلے گی۔ یہ سوچ کر جھوٹ بولنا کہ میں بمل داس نہیں ہوں۔ تم جو بات بعد میں اُگل ہی دو گے وہ ابھی بتا دو۔ نہیں بتاؤ گے تو کل اس

وقت تک تمہاری یہ حالت ہو جائے گی کہ تمہارے اس گاؤں کا کوئی آدمی تمہیں پہچان نہیں سکے گا۔"

"معلوم نہیں میرے متعلق شنکر داس نے آپ کو کیا بتایا ہے" — اُس نے کہا — "مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ مجھ پر کیا الزام لگا رہے ہیں۔"

"الزام سُن لو اور میرے ساتھ دوستوں کی طرح بات کرو" — میں نے کہا — "تم نے جو انگوٹھی جوجی کو دی ہے وہ چوری کی ہے اور یہ کوئی معمولی چوری نہیں۔ یہ اُس لڑکی کی انگوٹھی ہے جو لاپتہ ہے۔ اُسے زبردستی اغوا کیا گیا ہے اور شاید اُسے قتل بھی کر دیا گیا ہے۔ اُس کے اغوا میں تم بھی شامل ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کس طرح بے گناہ ہو۔"

وہ آنکھیں پھاڑ کر میرے مُنہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کا مُنہ بھی کُھل گیا۔

"پولیس کے ہاتھ میں تم پہلی بار آئے ہو" — میں نے کہا — "فوراً اُگل دو گے تو فائدے میں رہو گے.... میں تمہیں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دوں گا۔ فوراً جواب دو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ علیم الدین کی بیٹی لاپتہ ہے" — اُس نے کہا — "لیکن میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

"لاپتہ لڑکی کی انگوٹھی تمہارے پاس کس طرح آئی؟"

وہ چُپ رہا۔

"میں تمہیں ہتھکڑی لگا رہا ہوں" — میں نے کہا — "اور تھانے چل کر پوچھوں گا۔"

"گاؤں میں میری عزت ہے حضور!" — اُس نے کہا — "میں نے کسی کو اغوا نہیں کیا۔ مجھے ہتھکڑی نہ لگائیں، تھانے لے چلیں۔"

وہ میرے سامنے فرش پر بیٹھا تھا۔ کندھے پر گردن کے قریب

ایک جگہ ہے۔ وہاں سے کسی کو ہاتھ سے پکڑلو تو وہ تڑپنے لگتا ہے۔ درد ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ میں نے نصیر کی وہ جگہ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وہ تندرست جوان تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت تھی کہ میں اُسے ایک ہاتھ سے اُٹھا سکتا تھا۔ وہ ذبح ہوتے بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔ اُس نے سَر اِدھر اُدھر مارا تو اس کی پگڑی گر پڑی۔ میں نے اُس کے بال مُٹھی میں لے کر اُوپر کو کھینچے تو وہ سیدھا اوپر کو اُٹھا۔ میں نے پیچھے کو جھٹکا دے کر اُس کے بال چھوڑ دیئے۔ وہ دیوار سے ٹکرایا اور گر پڑا۔

"میں انگوٹھی کی بات کر رہا ہوں"۔۔۔ میں نے اُسے کہا۔۔۔ "تمہاری اصل خاطر تواضع تھانے میں ہوگی"۔

"بتاتا ہوں حضور!"۔۔۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ "لیکن حضور، میں صرف انگوٹھی کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ یہ مجھے ایک دوست نے دی تھی۔ اُس کا نام عبدالواحد ہے"۔

"کون ہے وہ؟ کہاں رہتا ہے؟ .... پوری بات سناؤ"۔

اُس نے ایک گاؤں کا نام لے کر بتایا کہ عبدالواحد وہاں کا رہنے والا ہے۔ نصیر بات رُک رُک کر کرتا تھا جیسے پُوری بات سُنانے سے ڈرتا ہو۔ میں نے جرح سے، ڈانٹ ڈپٹ اور اپنے طریقوں سے اُس سے ساری بات اُگلوالی۔

اُس کے بیان کے مطابق، عبدالواحد عرف واحدی بردہ فروشوں کے گروہ کا ایک اہم فرد تھا۔ خوبرو تھا اور زبان کا بڑا میٹھا بلکہ اُستاد تھا۔ شہر میں کبھی اُس کی اور نصیر کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ اکٹھے جوا بھی کھیلے اور طوائفوں کے ہاں بھی اکٹھے جاتے رہے۔ واحدی نے نصیر کو بعد میں جب ان کی دوستی پکی ہوگئی، بتایا کہ وہ بردہ فروش ہے۔ اگر کوئی خوبصورت لڑکی ہاتھ آجاتے جو گھر سے بھاگنے کے لئے تیار ہو تو نصیر واحدی کو بتاتے۔ اگر نصیر اس لڑکی کو واحدی تک پہنچا دے تو اُسے بہت پیسے ملیں گے۔

نصیر نے جوجی کے ساتھ دوستی کر لی تھی۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہُوتے تھے۔ نصیر نے سوچا کہ جوجی ہر لحاظ سے بردہ فروشوں کا مال ہے۔ اُس نے واحدی کو بتایا۔ واحدی نے قبرستان میں جوجی کو دیکھا۔ جوجی واحدی کو پسند آگئی۔ واحدی نے نصیر سے کہا تھا کہ وہ جوجی کو یہ جھانسہ دے کہ ایک امیرزادے نے اُسے پسند کر لیا ہے اور وہ اُس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔

واحدی نے جوجی کو دیکھا اور یہ انگوٹھی نصیر کو دی کہ وہ انگوٹھی جوجی کو دے کر کہے یہ منگنی کی انگوٹھی ہے۔ نصیر نے انگوٹھی جوجی کو دے دی۔ نصیر کو معلوم نہیں تھا کہ انگوٹھی شکوری کی ہے۔

اگر نصیر کا یہ بیان سچا تھا تو شکوری کو واحدی کے گروہ نے اغوا کیا تھا۔ اگر شکوری بردہ فروشوں کے ہاتھ لگ گئی تھی تو اتنے دنوں میں کسی نواب کے حرم یا اعلیٰ درجے کی طوائفوں کی دنیا میں پہنچ چکی ہوگی۔ مجھے نصیر پر بھی شک تھا۔ شکوری کے اغوا میں اس کا ہاتھ ضرور ہوگا۔

میں نے نصیر کو ہتھکڑی لگالی۔

ایک کارروائی اور باقی تھی۔ انگوٹھی کے مالکوں سے انگوٹھی کی شناخت کرانی تھی۔ میں نے شکوری کے ماں باپ اور اُس کے منگیتر کے ماں باپ کو بلایا۔ ہر ایک کو باری باری اندر بلایا اور دو گواہوں کے سامنے اُن سے انگوٹھی کی شناخت کرائی اور ان کے بیان لئے۔ پھر میں نصیر اور جوجی کو ساتھ لے کر تھانے چلا گیا۔

انگوٹھی کیسے اُتری؟

نصیر نے واحدی کا جو گاؤں بتایا تھا وہ ساتھ والے تھانے کے علاقے میں تھا۔ میں اگلی صبح روانہ ہوگیا۔ وہاں کے تھانے کا انچارج الٰہ آباد کے قریب کا رہنے والا ایک مسلمان سب انسپکٹر معین الدین خان تھا۔

اُس سے جا ملا اور بتایا کہ مجھے اُس کے تھانے کا عبدالواحد عرف واحدی مطلوب ہے۔ وہ گاؤں دراصل قصبہ تھا۔ تھانہ وہیں تھا۔ میں نے معین الدین کو بتایا کہ یہ شخص مجھے کیوں مطلوب ہے۔

"تم اُسے جانتے ہو؟" — میں نے پوچھا۔

"سونے کے انڈے دیتا ہے" — سب انسپکٹر معین الدین نے آنکھ مار کر کہا — "اُستاد ہے۔ میں جانتا ہوں یہی اُس کا کسب ہے۔"

معین الدین کو میں پہلے سے جانتا تھا۔ اُس نے مجھے بے تکلفی سے بتایا کہ واحدی بردہ فروشوں کا ایک آدمی ہے لیکن اس کا گروہ جبری اغوا کی وارداتیں کم ہی کرتا ہے۔ لڑکیوں کو محبت کا جھانسہ دے کر اور ورغلا کر اُن کی مرضی سے گھروں سے بھگا لے جاتا ہے۔ جوجی جیسی بعض لڑکیاں بھاگنے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ واحدی اپنے علاقے کے تھانیدار کے ساتھ گہری دوستی رکھتا تھا اور تھانے میں نذرانہ پہنچاتا رہتا تھا۔

معین الدین نے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں واحدی کو نہ پکڑوں۔ میں نے اُسے بتایا کہ کیس کس نوعیت کا ہے اور یہ کیس دبایا نہیں جا سکتا۔ مختصر یہ کہ میں واحدی تک پہنچ گیا۔ وہ مجھے گھر ہی مل گیا تھا۔ میں نے انگوٹھی کی بات کی تو اُس نے حیرت کا اظہار کر کے کہا کہ آپ کون سی انگوٹھی کی بات کر رہے ہیں؟ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ کسی نصیر عرف حوالدار کو نہیں جانتا۔

اگر وہ ہیرا پھیری نہ کرتا تو میں اُسے ذرا عزت سے اپنے ساتھ لاتا لیکن اُس کا سلوک دیکھ کر میں نے اُسے ہتھکڑی لگا لی۔

بیس اکیس میل کا فاصلہ تھا۔ ہم لاری پہ واپس آتے۔ راستے میں وہ مجھے رشوت پیش کرتا اور رقم بڑھاتا رہا۔ میں نے اُسے کہا کہ میرے پاس اُس کے خلاف اتنی شہادت اکٹھی ہو گئی ہے کہ میں اُسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اُس سے پوچھتا تھا کہ اُسے انگوٹھی کہاں سے ملی تھی۔ وہ نہیں بتاتا تھا۔ کہتا تھا کہ اُس نے کسی کو کوئی انگوٹھی نہیں دی۔

اپنے تھانے پہنچے تو میں نے جوجی کو اُس کے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ یہی وہ آدمی تھا جسے اُس نے قبرستان میں دیکھا تھا؟ پھر واحدی کو میں نے حوالات کے دروازے پہ جا کھڑا کیا اور نصیر سے پوچھا کہ یہی ہے نا واحدی؟ نصیر نے جواب دیا کہ یہی ہے۔

"واحدی!" — میں نے اپنے دفتر میں بٹھا کر اُسے کہا — "یہ صرف دو گواہ ہیں۔ دوسرے گواہوں کو تم کورٹ میں دیکھو گے۔ اُس وقت کیس میرے ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔" حقیقت یہ تھی کہ میرے پاس اور کوئی گواہ نہ تھا۔ میں نے اُسے کہا — "عدالت میں میرے گواہوں اور شہادت سے اپنا جرم ثابت کرانا چاہتے ہو تو ساری عمر جیل سے نہیں نکل سکو گے۔ یہاں تھانے میں تمہارے ساتھ جو سلوک ہو گا وہ شاید تم جانتے ہو گے۔ میں زیادہ باتیں نہیں کروں گا۔ ابھی دو کانسٹیبلوں کے حوالے کر دوں گا، پھر تم میرے پاؤں پکڑ کر بیان دو گے تو بھی میں بیان نہیں لوں گا.... شکوری کہاں ہے؟"

اُس نے میرے منہ کی طرف دیکھا۔

"شکوری کی لاش کہاں ہے؟" — میں نے اُسے ڈرانے کے لئے کہا — "تم قتل کے ملزم ہو۔"

اُس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن مسکرا نہ سکا۔

"تم مجھے رشوت کیوں پیش کر رہے تھے؟"

"وہ تو میں اب بھی پیش کرتا ہوں" — اُس نے کہا۔

"جرم کیا ہے تمہارا؟" — میں نے پوچھا — "تم تو بے گناہ ہو، پھر رشوت کیسی؟"

میں نے کئی تیر ہوا میں چلائے۔ شاید ان میں سے ایک دو نشانے پر جا لگے۔ میں اب اُسے بار بار قتل کا ملزم کہتا تھا۔ گناہ انسان کے اندر بولتا ہے۔ وہ پریشان ہو کر بول پڑا۔

"خدا کی قسم!" — اُس نے کہا — "میں نے کسی لڑکی کو اغوا نہیں

کیا نہ اغوا کیا ہے۔ میں نے وہ لڑکی ایک سادھو سے خریدی تھی۔ لڑکی کے کانوں میں جھمکے تھے۔ وہ سادھو نے اُتار لئے تھے اور انگوٹھی میں نے اُتار لی تھی۔"

"لڑکی کہاں ہے؟"

"وہ مجھ سے چھن گئی تھی" — اُس نے کہا — "آپ مجھ پر رحم کریں۔ میں نے لڑکی سادھو سے خریدی اور اُسے رقم دے دی تھی۔ راستے میں چار آدمی مجھ سے لڑکی چھین کر لے گئے۔ رقم بھی گئی لڑکی بھی گئی۔"

"سادھو کہاں ملا تھا؟" — میں نے کہا — "وہ لڑکی کہاں سے لایا تھا؟"

"کہتا تھا کہ لڑکی اس کے جادو کے اثر سے اُس تک پہنچی ہے" — واحدی نے کہا — "وہ غلط نہیں کہتا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ لڑکی اُس کے پاس چُپ چاپ بیٹھی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ میں ویسے ہی سادھو کے ہاں چلا گیا تھا۔ لڑکی کو دیکھا، سودا ہُوا۔ میں نے رقم دی۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ وہ اُٹھی اور میرے ساتھ چل پڑی۔ راستے میں چار آدمی مل گئے۔ اُنہوں نے مجھے مارا پیٹا۔ ایک نے لڑکی کا بازو پکڑا تو وہ ان آدمیوں کے ساتھ چل پڑی۔"

میری ہنسی نکل گئی۔ ذرا اس کے بیان پر غور کریں۔ لڑکی جادو کے زور سے سادھو تک پہنچی پھر جس کسی نے لڑکی کا بازو پکڑا، وہ اُس کے ساتھ چل پڑی۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شخص تجربہ کار جرائم پیشہ ہے۔ اس نے مجھے اُلو بنانے کے لئے کیسی عجیب کہانی گھڑ لی تھی۔

"واحدی!.... اوئے واحدی!" — میں نے کہا — "جس جال میں تم آگئے ہو، اس سے جھوٹ بول کر تم نہیں نکل سکو گے .... بردہ فروشی تمہارا پیشہ ہے نا!"

اُس نے سر ہلایا کہ ہاں، یہ اُس کا پیشہ ہے۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا جناب!" — اُس نے کہا — "میں اُس سادھو کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ آپ تفتیش کریں۔"

"کہاں ہے وہ سادھو؟" — میں نے پوچھا۔

جادُو جو گُف سے چلا

اُس نے جو کہانی مجھے سنائی وہ میں آپ کو اپنی زبان میں اور اپنے انداز سے سناتا ہوں۔

پاکستان میں پیدا ہونے والی نسلوں نے سادھو اور سنیاسی نہیں دیکھے۔ یہ ہندو ہُوا کرتے تھے۔ سنیاسی ذرا اچھے لباس اور حُلیے میں رہتے تھے۔ اُن کا لباس عام شہریوں سے الگ تھلگ ہوتا تھا۔ وہ جنگلوں میں گھومتے پھرتے اور جڑی بُوٹیاں اکٹھی کر کے دوائیاں بناتے تھے۔ انہیں جوگی بھی کہا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض جنگل میں ہی لیکن آبادی کے قریب خیمہ لگا کر ڈیرہ ڈال لیتے تھے اور بعض قصبوں اور شہروں میں دکانیں کھول لیتے تھے۔

دوسرے سادھو تھے۔ ان کا حال حُلیہ فقیروں جیسا ہوتا تھا۔ سر کے بالوں کے ساتھ کالے رنگ کی رسیوں یا سُوت کے بال چپکائے رکھتے تھے۔ جسم پر راکھ یا مٹی مَل لیتے تھے۔ ان میں بیشتر نیم برہنہ اور کچھ بالکل ننگے رہتے تھے۔ ہندو انہیں مقدس سمجھتے تھے۔ بھارت میں اب بھی ننگے سادھو، جسم پر گاچنی مٹی کا لیپ کئے ہُوئے یا راکھ ملے ہُوئے گلیوں میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ہندو عورتیں ان مادر زاد ننگے سادھوؤں کو اپنے گھروں میں لے جاتی اور ان کی بہت خاطر تواضع کرتی ہیں۔

یہ تو مسلمانوں میں بھی ہے کہ جوان عورتیں پیروں اور عاملوں وغیرہ کے ہاں مُرادیں پوری کرانے جاتی ہیں اور ان عورتوں کے خاوند اور بھائی اپنے آپ کو یہ فریب دیتے رکھتے ہیں کہ ان کے پیر صاحب اللہ والے ہیں اور اُن کی عورتوں کو بُری نظر سے نہیں دیکھتے لیکن ہندوؤں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادھو اُن کی عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں اور ان کے

عورتوں کے خاوند اور بھائی وغیرہ خوش ہوتے ہیں۔

میں اپنے وقتوں کی بات سنا رہا ہوں۔ بعض سادھو آبادی کے قریب کسی قدرتی غار یا گُف میں رہتے تھے۔ ہندو عورتیں ان کے پاس مرادیں پوری کرانے جاتی تھیں اور انہیں پیسے دیتی تھیں۔ ان سادھوؤں کے متعلق عجیب وغریب کہانیاں مشہور تھیں۔ اولاد کی خواہشمند عورتیں ان سادھوؤں کی زیادہ معتقد تھیں۔ ہندو کہتے تھے کہ بعض سادھوؤں کے پاس کوئی پُر اسرار طاقت ہوتی ہے۔ یہ تو میں بھی مانتا ہوں کہ بعض سادھو کالے علم میں مہارت رکھتے تھے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ باقی سب فراڈ تھے۔ ہندو تو ان کے معتقد تھے ہی، بعض مسلمان بھی ان کے پاس جاتے تھے۔

واحدی نے مجھے ایسے ہی ایک سادھو کے متعلق بتایا کہ وہ کالے علم کا ماہر ہے لیکن کسی کسی کا کام کرتا ہے۔ ٹسکوری کے گاؤں سے تقریباً ایک میل دُور ایسا علاقہ تھا جہاں چٹانیں تھیں اور مٹی کے ٹیلے کھڑے تھے۔ وہ وسیع کھڈوں اور گھاٹیوں کا علاقہ تھا۔ وہاں ایک لمبی چوڑی گُف قدرتی طور پر بنی ہوئی تھی۔ اس میں ایک سادھو نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ اُس کی شہرت یہ تھی کہ آسیب اور سائے کا علاج کرتا تھا اور کہتے تھے کہ کالا علم بھی جانتا ہے۔ لوگ (خصوصاً عورتیں) اُس کی گُف میں جاتے اور اُس کے آگے ماتھے رگڑتے رہتے تھے۔ واحدی بھی اُس کے معتقدوں میں تھا۔

ایک رات واحدی پیدل وہاں سے گزرا۔ وہ اپنے کسی کام سے جا رہا تھا۔ گُف کے سامنے سے گزرا تو اندر روشنی دیکھی۔ واحدی اندر چلا گیا۔ سادھو کے تین چار چیلے بھی تھے۔ وہ اُس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ شاید گُف کے اندر کہیں سوتے ہوتے تھے۔ سادھو بیٹھا تھا اور گُف کی دیوار کے ساتھ ایک جوان اور بڑی ہی خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔ واحدی اور سادھو نے آپس میں کچھ باتیں کیں۔ لڑکی جس طرح بیٹھی تھی اُسی طرح بیٹھی رہی جیسے بُت رکھا ہُوا ہو۔

سادھو واحدی کو گُف سے باہر لے گیا اور اُسے کہا کہ اس لڑکی کو وہ اپنے عمل سے لایا ہے۔ سادھو کو معلوم تھا کہ واحدی عورتوں کی خرید وفروخت کا کام کرتا ہے۔ اُس نے واحدی سے کہا کہ وہ اس لڑکی کی قیمت ادا کر دے اور اسے ساتھ لے جائے۔ واحدی نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو دوسَو روپیہ نکلا۔ سادھو نے اُسے دو ہزار روپیہ کہا۔ اُس وقت کا دو ہزار روپیہ آج کے پچیس ہزار روپے کے برابر تھا۔ واحدی نے سادھو سے کہا کہ وہ دوسَو روپیہ رکھ لے، باقی رقم ایک دو روز بعد لے آئے گا۔

سادھو واحدی کو جانتا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ واحدی اُس کا مرید بنا ہُوا ہے اس لئے دھوکہ نہیں دے گا۔ اُس نے واحدی سے کہا کہ وہ لڑکی کو بے فکر ہو کر ساتھ لے جائے۔ لڑکی کالے علم کے اثر میں تھی۔

اندر جا کر سادھو نے لڑکی سے کہا کہ اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ لڑکی کچھ کہے بغیر اٹھی اور چل پڑی۔ سادھو نے اُسے رُکنے کو کہا تو لڑکی رُک گئی۔ سادھو نے لڑکی کے کانوں سے جُھمکے اُتار لئے۔ کہنے لگا کہ دو ہزار روپیہ لڑکی کا ہے، زیور میرا ہے۔ وہ انگوٹھی اتارنے لگا تو واحدی نے کہا کہ یہ میرے لئے رہنے دو۔ سادھو نے انگوٹھی نہ اتاری۔ یہ واحدی نے اتار لی۔

"لڑکی میرے ساتھ چل پڑی" ـــ واحدی نے مجھے سُنایا ـــ "میں نے اُس سے اُس کا نام پوچھا تو وہ چپ رہی۔ اُسے بلایا۔ کندھے پہ ہاتھ رکھ کر جھنجھوڑا لیکن وہ نہ بولی۔ میں ڈر گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سادھو کے ہاتھ میں کوئی اُلٹی طاقت ہے۔ مجھے ڈر یہ لگا کہ یہ کوئی اور چیز ہے، انسان نہیں۔ سادھو نے کہا تھا کہ تقریباً تین گھنٹے اور اس پہ یہ اثر رہے گا اور تین گھنٹوں کے اندر اندر اسے کہیں پہنچا دینا.....

"میں چلتا گیا۔ لڑکی میرے ساتھ پالتو بکری کی طرح چلی جا رہی تھی۔ میں ایک دوست کے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک کسی نے

مجھے للکار کر روک لیا۔ میں رُکا اور چاقو نکال لیا۔ وہ چار تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہے۔ میں نے کہا بیوی ہے۔ چاروں نے لڑکی کو ماچسیں جلا کر دیکھا۔ ایک نے کہا کہ لے چلو۔ میں نے اُن کی منت کی۔ میں اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔

"ان میں سے ایک آدمی نے مجھے غور سے دیکھا اور پوچھا کہ تم واحدی تو نہیں ہو؟ میں نے بتایا کہ میں واحدی ہوں تو اُس نے کہا — لے چلو، لے چلو۔ یہ اس کی بیوی نہیں۔ کہیں سے اُڑا لایا ہے — اس نے مجھے کہیں اس کاروبار میں دیکھا ہو گا۔ وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے گئے لیکن تھوڑی دُور آگے جا کر انہوں نے مجھے مار پیٹ کر بے ہوش کر دیا۔ میں جب ہوش میں آیا تو میں کہیں اور پڑا تھا۔ میں اُٹھا اور اپنے گاؤں کو چلا گیا۔"

"تم سادھو کے پاس پھر نہیں گئے؟" — میں نے پوچھا — "تم نے اُسے بتایا نہیں کہ لڑکی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہے؟"

"تیسرے یا چوتھے روز گیا تھا" — واحدی نے جواب دیا — "وہ چپ رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ وہ سو روپیہ مجھے واپس کر دے لیکن اُس نے واپس نہیں کیا۔ اس کے بعد میں سادھو سے نہیں ملا۔"

انگوٹھی کے متعلق اُس نے ویسا ہی بیان دیا جیسا نصیر دے چکا تھا۔ نصیر نے اُسے جوجی دکھائی تھی۔ جوجی پر یہ اثر ڈالنے کے لئے کہ واحدی امیرزادہ یا شہزادہ ہے، واحدی نے جوجی کو دینے کے لئے نصیر کو تسکوری کی انگلی سے اتاری ہوئی انگوٹھی دی تھی۔ وہ جوجی کو شادی کا جھانسہ دے کر اُسے آگے چلانے کا بندوبست کر چکا تھا۔

وہ چرس کے لئے پاگل ہو گیا

میں نے واحدی کو حوالات میں بند کر دیا اور اس سوچ میں ڈوب

گیا کہ مجھے واحدی کے بیان کو صحیح ماننا چاہیئے یا نہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں نے کالے علم کے مظاہرے پہلے بھی دیکھے تھے۔ انبالہ میں ایک آدمی کے گھر پتھر پڑتے تھے۔ یہ کالے علم کا مظاہرہ تھا۔ میں نے کالے علم کے اُس عامل کو پکڑ لیا تھا جس کے عمل سے پتھر پڑتے تھے۔ اُسے سزا بھی دلائی تھی۔ ایسے واقعات پاکستان میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔ کسی کے گھر پُراسرار طریقوں سے آگ لگتی ہے اور خود ہی بجھ جاتی ہے۔ یہ عمل کچھ دن جاری رہتا ہے۔ کسی کے گھر پتھر گرتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ کدھر سے آ رہے ہیں۔

پیر اور عامل وغیرہ اسے جنّوں کی کارستانی کہہ کر مظلوم گھرانے سے پیسے بٹورتے ہیں۔ حقیقت میں اس خاندان کا کوئی دشمن کالے علم کا عمل کرنے والے آدمی سے یہ کام کروا رہا ہوتا ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ جُرم کہا ہے۔ پاکستان میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ دشمن ایک دوسرے کو کالے علم سے جسے جادو اور اُلٹے تعویذ بھی کہتے ہیں، پریشان کرتے ہیں مگر ہمارا قانون خاموش رہتا ہے۔

رات کے نو بجنے والے تھے جب میں تین کانسٹیبلوں کے ساتھ سادھو کی گُف میں داخل ہُوا۔ سادھو ایک دیا سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ اُس کا صرف ایک چیلا وہاں موجود تھا۔ سادھو پولیس کو دیکھ کر گھبرایا لیکن فوراً سنبھل گیا اور جھومنے لگا جیسے مراقبے میں چلا گیا ہو۔

"اس وقت ہم نے کسی تھانیدار کو حاضر ہونے کے لئے نہیں کہا تھا" — اُس نے مخموری سی آواز میں کہا — "تم کیوں آ گئے ہو؟"

"مہاراج!" — میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلایا اور کہا — "آپ کے پاس ایک لڑکی کے دو جُھمکے ہوں گے۔ میں وہ لینے آیا ہوں۔"

"کیا بک رہا ہے تھانیدار؟" — اُس نے شرابیوں کی آواز میں کہا — "ہم اس وقت کسی کو جُھمکے نہیں دے سکتے۔"

میں خطرہ مول لے رہا تھا۔ خطرہ یہ نہیں تھا کہ سادھو مجھ پر جادو کر

دے گا۔ کالا جادو اتنی جلدی نہیں کیا جا سکتا۔ خطرہ یہ تھا کہ ان سادھوؤں کو ہندو اسی طرح مانتے ہیں جس طرح مسلمان پیروں کو۔ میں نے اپنے ڈی۔ ایس۔ پی سے جو انگریز تھا، ٹیلیفون پر بات کر لی تھی۔ اُس نے مجھے اجازت دے دی تھی کہ ثبوت اور شہادت معقول ہو تو سادھو کو گرفتار کر لو۔

میں نے سادھو سے ایک بار پھر کہا کہ وہ مجھے جُھٹکے دے دے لیکن وہ مراقبے میں رہا اور مجھے جواب نہ دیا۔ میں نے اُسے جھنجھوڑا اور کہا کہ میں اُسے گھسیٹ کر تھانے لے جاؤں گا۔ تب اُس نے میری طرف دیکھا۔ میں اُسے گھسیٹ کر تھانے نہیں لے جا سکتا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ واحدی نے جھوٹ بولا ہو۔ مجھے تفتیش کرنی تھی جو میں اُس کی کُٹیا میں اچھی طرح نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سادھو کو دھمکیاں دیں اور اُسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔

وہ جب اُٹھ کر میرے ساتھ چلنے لگا تو اُس نے چلم کی ٹوپی اور تمباکو کی گٹھی اُٹھا لی، پھر اُس نے چرس کی تین چار گولیاں اور چلم کی ٹوپی بھی گٹھی میں ڈال لی۔ اگر آپ نے پشاوری اور پوٹھوہاری حُقہ دیکھا ہے تو اس کی ٹوپی بھی دیکھی ہو گی۔ یہ چھوٹی سی اور لمبوتری ہوتی ہے۔ سادھو اس میں تمباکو ڈال کر اور اس کے نیچے کپڑا لپیٹ کر اس کے نیچے والے سوراخ کے ساتھ مُنہ لگا کر کش لیتے تھے۔

چرس دیکھ کر مجھے ایک خیال آ گیا۔ میں نے سادھو کے ہاتھ سے یہ گٹھی لے کر ایک کانسٹیبل کو دے دی۔ راستے میں سادھو میرے ساتھ سادھوؤں کی طرح باتیں کرتا گیا اور میں اُس کے ساتھ مذاق کرتا رہا۔ میں گھوڑی پر تھا اور وہ کانسٹیبلوں کے ساتھ پیدل آ رہا تھا۔ مجھے اُس کے انداز سے شک ہونے لگا تھا کہ یہ شخص سادھو نہیں، اس نے بہروپ دھار رکھا ہے۔

تھانے پہنچے تو میں نے اُسے حوالات میں بند نہ کیا، کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا اور اُس کی تمباکو اور چرس والی گٹھی اپنے پاس رکھ لی۔ کانسٹیبلوں

سے یہ کہہ کر کہ اسے ساری رات سونے نہ دیں، میں اپنے گھر چلا گیا۔

میں صبح تھانے میں آیا تو سادھو میری طرف لپکتا تھا لیکن کانسٹیبل اُسے دھکے دے کر پیچھے کر دیتے تھے۔ میں اُس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ میں اپنے دفتر میں جا بیٹھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے مجھے بتایا کہ سادھو چرس کے کش کے لئے پاگل ہوتا رہا ہے۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ چرس کا نشئی ہے، اسی لئے میں نے اُس کی گٹھی اپنے قبضے میں لے لی تھی۔ نشئی ملزم پر تشدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُسے نشہ پورا نہ کرنے دو تو نشے کے عوض وہ سب کچھ اُگل دیتا ہے۔ میری یہ چال کامیاب رہی۔ سادھو کانسٹیبلوں سے سگریٹ کے ایک کش کی بھیک مانگتا رہا جو اُسے کسی نے نہ دیا۔ صبح تک اُس کی حالت بہت بُری ہو چکی تھی۔

میں دوسرے کاموں میں لگا رہا۔ دو گھنٹوں کے لئے باہر بھی گیا۔ واپس آ کر بھی میں نے سادھو کی طرف توجہ نہ دی۔ مجھے اطلاعیں ملتی رہیں کہ سادھو کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ اُسے کھانا بڑا اچھا کھلایا گیا۔ شام کا کھانا اُس کے آگے رکھا گیا تو اُس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ چرس کا صرف ایک کش مانگ رہا تھا۔ شام کے بعد اُس نے گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ واحدی اور نفیر حوالات میں تھے۔ جوجی کو میں نے الگ رکھا ہوا تھا۔ اُسے ابھی حراست میں نہیں لیا تھا۔ سادھو کی واہی تباہی مجھے بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں اُسے پوری طرح پاگل کر کے اُس سے پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔

میں سادھو کے متعلق سوچ رہا تھا کہ دو معزز ہندو آ گئے۔ میں ایک بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ لفظ "معزز" کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں لیکن میں جب یہ لفظ کسی کے لئے استعمال کرتا ہوں تو یہ پولیس کی اصطلاح ہوتی ہے۔ اس سے آپ یہ نہ سمجھا کریں کہ میں جسے معزز کہتا ہوں وہ لغات کے معنوں میں یعنی صحیح معنوں میں معزز ہو گا۔ پولیس اُسے معزز کہتی ہے جس کا معاشرے میں کوئی مقام ہو، اُس نے خواہ غنڈے پال

رکھے ہوں۔

یہ ہندو جو میرے پاس آئے تھے، وہ منڈی کے سردار تھے۔ روپے پیسے والے تھے اس لئے پولیس کی نظر میں معزز تھے۔ انہوں نے شریفانہ لہجے میں کہا کہ میں نے ایک سادھو کو گرفتار کیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اُسے گرفتار نہیں کیا بلکہ اپنی راہنمائی کے لئے بلایا ہے۔

"آپ کو تو معلوم ہے کہ یہ سادھو ہمارے لئے کتنے اونچے رُتبے کے لوگ ہوتے ہیں" — ایک ہندو نے کہا۔

"شہر کے ہندو ناراض ہو رہے ہیں" — دوسرے نے کہا۔

"میں نے سادھو مہاراج کو باعزّت کام کے لئے بلایا ہے" — میں نے جھوٹ بولا اور کہا — "آپ کو اگر اعتراض ہے تو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کے پاس چلے جائیں۔ یہ کیس ایسا ہے جس کی تفتیش کے لئے مجھے اُن سے احکام مل رہے ہیں"۔

اتنے میں سادھو کا واویلا اور ننگی گالیاں سنائی دیں۔ وہ چرس کے نشے سے ٹوٹا ہُوا بلند آواز سے واہی تباہی بک رہا تھا۔

"یہ کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے" — ایک ہندو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پاگل کو کیوں پکڑ رکھا ہے آپ نے؟" — دوسرے ہندو نے پوچھا۔

"یہ آپ کے سادھو مہاراج ہیں" — میں نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا — "چرس مانگ رہا ہے۔ میں اسے چرس نہیں دے سکتا۔ میں اس کی گالیاں صرف اس لئے برداشت کر رہا ہوں کہ آپ لوگوں کی نظروں میں اس کا رُتبہ اونچا ہے"۔

دونوں ہندو کھسیانے سے ہو گئے، پھر بھی انہوں نے مجھے کہا کہ میں اُن کے مہاراج کو پریشان نہ کروں۔

"میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اس سادھو کے متعلق کوئی بھی بات کرنی ہو وہ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب سے کریں" — میں نے کہا — "میں حکم کا پابند ہوں.... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں قانون

کے معاملے میں اپنے مذہب کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ اگر کسی ہندو کی بیٹی کے اغوا میں مسجد کا مولوی یا کوئی پیر مشتبہ ہو گا تو میں اُسے بھی تھانے میں بٹھا لوں گا" — میں نے ذرا سوچ کر کہا — "اگر آپ کو یہ شک ہے کہ میں آپ کے سادھو مہاراج کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آؤں گا تو کل صبح آجانا اور دیکھ لینا۔ اگر سادھو مہاراج کسی جرم میں ملوث ہوتے تو میں انہیں پورے احترام سے حوالات میں بند کر دونگا"۔

اُن کے ساتھ دوستانہ انداز سے کچھ اور باتیں ہوئیں اور وہ چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے سے میں خوش نہ ہُوا۔ مجھے خطرہ نظر آرہا تھا کہ قصبے کے ہندو شور شرابہ کریں گے۔

جب اُسے چرس ملی

میں نے رات دس بجے کے بعد سادھو کو اپنے دفتر میں بلایا اور دروازہ بند کر لیا۔

"میری تھیلی مجھے دے دے" — اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا — "یہ دیکھ، ہاتھ جوڑ رہا ہوں"۔

میں چُپ چاپ اُسے دیکھ رہا تھا۔ اگر میں تھانیدار نہ ہوتا اور یہ تھانہ نہ ہوتا تو نشے سے ٹوٹا ہُوا سادھو مجھ پر حملہ کر دیتا۔ مجھے چُپ دیکھ کر وہ میرے پاؤں پر گر پڑا.... نشہ بڑی ہی بُری اور خطرناک عادت ہے۔

"اُٹھو" — میں نے کہا — "بنچ پہ بیٹھو"۔

وہ بنچ پہ بیٹھ گیا۔ اُس کا سَر ڈول رہا تھا۔

"سچ بولو" — میں نے اُسے کہا — "کیا یہ سچ ہے کہ ایک لڑکی کو تم نے کالے علم کے زور سے اپنے پاس بلایا اور وہ لڑکی واحدی کے حوالے کر دی تھی؟.... بتا دو۔ چرس دوں گا۔ شراب منگوا دوں گا"۔

میں نے اُس کی گُتھی دراز سے نکال کر میز پر رکھ دی۔ وہ اُٹھ کر اُس

کی طرف تیزی سے آیا۔ میں نے گٹھی اُٹھا کر اپنے پیچھے کر لی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو"۔ میں نے کہا۔

وہ پیچھے ہٹ کر دھک سے بنچ پر بیٹھا۔ اب تو ایسے لگتا تھا جیسے بے ہوش ہو جائے گا۔

"مان لیا میرے داروغے، مان لیا"۔ اُس نے ہکلاتی ہوئی زبان میں کہا — "لڑکی کو میں نے اُس کے گھر سے ایک عمل کے زور سے نکالا تھا"۔

"بیچنے کے لئے؟"

"نہیں میرے باپ! نہیں"۔ اُس نے جھنجلا کر کہا — "ایک شخص ہے علی رضا، اُس نے نکلوائی تھی۔ واحدی تو ویسے ہی آ گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اتنا قیمتی مال علی رضا کو کیوں دے دوں؟ میں نے واحدی سے کہا کہ مال موجود ہے۔ جیب خالی کرو اور مال لے جاؤ..." وہ چپ ہو گیا اور کچھ دیر میرے مُنہ کی طرف دیکھ کر بولا — "ایک اور بات بتاؤں؟ مان لو گے؟"

"مان لوں گا" — میں نے کہا۔

"پہلے ایک کش لگوا دو"۔

"لگوا دیا" — میں نے کہا — "بولو۔ ذرا سا اشارہ دو تم کیا کہانی سنانا چاہتے ہو"۔

"میں مسلمان ہوں" — اُس نے کہا — "آپ کو شاید معلوم ہو گا کہ ہردوار، بنارس اور دوسری جگہوں میں جہاں ہندوؤں کے سب سے بڑے مندر ہیں، وہاں کئی مسلمان سادھو اور جوگی بنے ہوتے ہیں"۔

مجھے ابھی معلوم نہیں تھا کہ اپنے مذہب کے متعلق وہ سچ کہہ رہا تھا یا نہیں، البتہ اُس کا یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ بعض جرائم پیشہ مسلمان، سادھوؤں کا بھیس بدل کر ہندوؤں کے مقدس مقامات مثلاً ہردوار، بنارس، کُنبھ وغیرہ پر چلے جاتے اور عیش موج کرتے تھے۔ اس بہروپ میں سب سے زیادہ مشکل کام یہ تھا کہ سادھوؤں کی زبان بولنی پڑتی اور اُن جیسی اداکاری

کرنی ہوتی اور ہندوؤں کے مذہب سے واقفیت لازمی تھی۔ بعض مسلمان اس نقالی میں کمال حاصل کر لیتے تھے۔ یہ تھا تو جُرم لیکن وہ ہندوؤں کے لئے مقدس بن جاتے تھے۔ ہردوار اور بنارس میں تو سارے ہندوستان کے ہندو جایا کرتے تھے۔ وہ وہاں کے سادھوؤں کو زیادہ مقدس سمجھتے تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت ہندو عورت ان کی خدمت بڑے فخر سے کرتی اور پیسے الگ دیتی تھی۔ بے اولاد عورتیں تو ان کی باندیاں ہوتی تھیں۔ وہ ان سے اولاد کے لئے تعویذ نہیں لیتی تھیں نہ جنتر منتر کراتی تھیں۔ اپنا آپ ان کے حوالے کر کے انہیں صاف کہتی تھیں کہ بچّہ چاہیئے۔ ان کے خاوند بڑی خوشی سے اِن بچّوں کو قبول کرتے تھے۔

یہ سادھو جسے میں نے پکڑا تھا، بڑا کامیاب بہروپیا بنا ہوا تھا۔ اُس نے مجھے اپنا اصل نام شفاعت علی بتایا تھا۔

"آپ میرے مسلمان بھائی ہیں" — اُس نے کہا — "مجھے عیش کرنے دیں۔ آپ کا اس میں کیا نقصان ہے؟"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم ہندو ہو یا مسلمان!" — میں نے کہا — "مجھے اُس لڑکی کے متعلق کچھ بتاؤ"۔

"آپ کو بتا دیا ہے کہ اُسے میں نے گھر سے نکالا تھا" — اُس نے کہا — "اب ایک کش لگوا دیں اور مجھ سے کہانی سُنیں"۔

اُس نے جس طرح نڈر ہو کر بات کی، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ پکّا مجرم ہے۔ میں نے اُس کی گٹھی اُس کے حوالے کر دی۔ وہ گٹھی پر یوں جھپٹا جیسے بلی چھیچھڑے پر لوٹ پڑتی ہے۔ اُس نے بڑی تیزی سے گٹھی سے تمباکو نکالا، ہتھیلی پر رکھ کر اس میں چرس ملائی اور ٹوپی بھر کر جلتی ہوئی دیاسلائی تمباکو پر رکھ کر اتنا لمبا کش لیا کہ پورے کا پورا تمباکو راکھ کر ڈالا۔ وہ اتنا بُری طرح چرس کا عادی تھا کہ اُس نے سارا دُھواں نگل لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دس پندرہ سیکنڈ بعد اُس نے دُھوآں چھوڑنا شروع کیا تو کتنی ہی دیر اُس کے مُنہ اور ناک سے دُھوآں نکلتا ہی رہا۔

پھر اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے چھوٹے چھوٹے تین چار مزید کش لئے تو میں نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ چمک اُٹھا تھا جیسے کسی مریض کو تازہ خون دے دیا گیا ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ اُس نے شام کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے اُس کے لئے کھانا منگوایا۔

ایک راز، بڑا ہی پُر اسرار

وہ نارمل حالت میں آگیا۔ کہنے لگا کہ پہلا بڑا تھانیدار (سب انسپکٹر بمل داس) بڑا اچھا آدمی تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اُس سے زیادہ اچھا آدمی ہوں لیکن صرف اُس کے ساتھ اچھائی کرتا ہوں جو مجھے دل کا راز دے دیتا ہے۔

اُس نے مجھے دل کا راز دے دیا۔

اپنے متعلق اُس نے اتنا ہی بتایا کہ دس سال کی عمر میں وہ جرائم کی دُنیا میں داخل ہُوا تھا۔ اُس نے دو اُستادوں کی بہت خدمت کی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں وہ پکّا نوسرباز بن گیا۔ اُس نے زبان کی ہیرا پھیری میں کمال حاصل کیا۔ جرائم کی دُنیا میں اُس نے جس کام میں ہاتھ ڈالا اُس میں کامیابی حاصل کی۔ اس پیشے میں اُس کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جو کالا علم جانتا تھا اور یہی اُس کا پیشہ تھا لیکن وہ فراڈ زیادہ چلاتا تھا۔ شفاعت علی نے جو اُس وقت شفتا کہلاتا تھا، اس آدمی کی بہت خدمت کی۔ اُس کی کرامات کی تشہیر بھی خوب کی اور اُس کے لئے سائل پھانس پھانس کر لاتا رہا۔ عامل نے بھی کمایا اور شفاعت نے بھی خوب کمشن بنائی۔

شفاعت کالے علم کے دو چار گُر سیکھنا چاہتا تھا لیکن عامل اُسے یہ راز نہیں دیتا تھا۔ شفاعت سے وہ عجیب عجیب کام لیتا تھا مثلاً قبرستان سے مُردے کی کوئی خاص ہڈی لانا، کوّے کے گھونسلے میں سے چھوٹی سی ایک دو لکڑیاں نکال لانا، کسی خاص عمر کی عورت کے سر کے تین چار بال اور

ایسی اور اشیاء تھیں جو وہ اُستاد کے حکم سے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ لاتا تھا۔

وہ نشے میں تھا اس لئے اُس کی زبان بے قابو ہوگئی تھی۔ اُس کی یہ حالت میرے لئے فائدہ مند ہو سکتی تھی۔ نشے میں انسان بڑے خطرناک راز اُگل دیتا ہے۔ میں نے اُس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ بولتا رہے۔

"ملک صاحب!"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔"ہم لوگ اتنے اُستاد نہیں ہوتے، دراصل لوگ بیوقوف ہیں۔ لوگ حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔ اُن کے مسئلے حل نہیں ہوتے تو ہم جیسے سادھوؤں اور عاملوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ پیروں کو مانتے ہیں۔ کسی پیر کو میرے سامنے بٹھا دو۔ میں اُس کے مُنہ پر اُس کی اصلیت ننگی کر دوں گا۔ اُن سے تو وہ اچھے ہیں جو کالا علم جانتے ہیں اور لوگوں کے کام کر دیتے ہیں....

"لوگوں کو دیکھو وہ کس حد تک پہنچتے ہیں۔ میری عمر سولہ سترہ سال تھی۔ اُستاد نے مجھے ایک ویران بیابان سے ایک چیز لانے کو کہا تھا۔ دو اڑھائی میل دُور جانا تھا۔ راستے میں ایک برساتی نالہ پڑتا تھا جو بہت چوڑا تھا۔ اس کے کنارے ٹیلوں جیسے اُونچے تھے۔ اُن دنوں اس نالے میں بہت تھوڑا پانی تھا....

"میں نالے کے کنارے پر جا رہا تھا۔ چاندنی رات تھی۔ مجھے نالے میں ایک عورت کھڑی نظر آئی۔ وہاں پاٹ خشک تھا۔ دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ پانی بہہ رہا تھا۔ درمیان میں خشکی تھی۔ آگے جا کر دونوں کناروں کا پانی درمیان کی طرف جاتے جاتے آپس میں مل گیا تھا۔ جہاں دونوں دھارے ملتے تھے وہاں وہ عورت کھڑی تھی اور اُس کے جسم پر ایک بھی کپڑا نہیں تھا۔ میں کنارے سے اُتر کر اُس کی طرف گیا تو اُس نے چیخیں مارنی شروع کر دیں۔ میں رُک گیا۔ وہ انسان نہیں ہو سکتی تھی۔ رات کو اس ویرانے میں جانے کی جرأت کوئی عورت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ چڑیل تھی لیکن میں بھاگا نہیں۔ اُستاد نے ایک تعویذ میرے گلے میں ڈال رکھا

تھا اور چھوٹی سی ایک چھڑی مجھے دی ہوئی تھی جو رات کو جنگل میں سے گزرتے ہاتھ میں رکھنی ہوتی تھی۔ استاد کہتا تھا کہ اس تعویذ اور چھڑی کی موجودگی میں جن، چڑیل اور بھوت پریت قریب نہیں آتے....

"اُس وقت یہ دونوں چیزیں میرے پاس تھیں۔ میں اُس عورت تک چلا گیا۔ اُس کے ہاتھ اور پاؤں دیکھے۔ یہ سیدھے تھے۔ سنا تھا چڑیلوں کے ہاتھ پاؤں اُلٹے ہوتے ہیں۔ وہ آخر عورت ہی نکلی۔ وہ جوان تھی۔ میں نے اُسے ڈرایا تو وہ میرے پاؤں میں بیٹھ گئی۔ وہ بالکل ننگی تھی۔ کسی سادھو نے اُسے ایک ٹونہ بتایا تھا جو کسی دریا، ندی یا نالے میں اُس جگہ کرنا تھا جہاں پانی کے دو دھارے ملتے ہیں۔ وہ اولاد چاہتی تھی....

"میں نے اُسے کہا کہ وہ یہ ٹونہ چھوڑ دے ورنہ کوئی اُسے زبردستی اپنے ساتھ لے جائے گا پھر وہ باقی عمر روتے گزار دے گی۔ ان طریقوں سے کبھی کسی کو اولاد نہیں ملی.... وہ ہندو تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ کپڑے پہن لے۔ وہ ڈر سے ہکلا رہی تھی اور میری منتیں کرتی تھی کہ میں اُسے کچھ نہ کہوں اور کسی کے ساتھ ذکر بھی نہ کروں۔ میں اُسے کنارے کے اُوپر ایک جگہ لے گیا۔ اُس کا ڈر دُور کیا۔ اُس نے میری بات سمجھ لی اور میری بات پر آ گئی۔ تب اُس نے کہا کہ اُس کا خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ فلاں جگہ آجایا کرے۔ وہ آتی رہی اور اُس کے پہلے بچے کا باپ میں تھا۔"

اُس نے دو تین اور واقعات سنا ڈالے۔

عامل اُستاد نے شفاعت پر یہ کرم کیا کہ اُسے ایک عمل سکھا دیا۔ یہ بڑا ہی مشکل عمل تھا۔ چاند کی خاص تاریخوں کی پوری پوری راتیں جاگنا پڑتا تھا۔ ہندسوں کا حساب جوڑنا ہوتا تھا اور نہ جانے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے اور کیسے کیسے پرہیز کرنے ہوتے تھے۔

مجھے اُس عمل کے طریقوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے میں نے اُس سے طریقے معلوم نہ کئے۔ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کے اُستاد

نے اُسے ایک بار یہ عمل کر کے دکھایا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ ایک عورت اُس کے پاس پہنچ گئی تھی لیکن اس عمل کی کچھ اور ضروریات بھی تھیں ورنہ عمل کرنے والے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔

کالے بکرے کی سری اور دل

شفاعت نے مجھے بتایا کہ ایک بار اُس نے یہ عمل کیا اور ناکام رہا تھا۔ دوسری بار اُس نے شکوری پر عمل کیا اور کامیاب رہا۔ اُس سے یہ عمل علی رضا نے کرایا تھا۔ شفاعت نے انکار کر دیا تھا لیکن علی رضا نے اُسے بے شمار رقم پیش کی تھی۔ اُس نے شفاعت سے کہا تھا کہ وہ چند بیگھہ زمین بھی اُس کے نام کرا دے گا۔

"علی رضا کو میں بہت اچھی طرح جانتا تھا"— شفاعت نے مجھے سنایا— "بلکہ آپ اُسے میرا دوست کہہ سکتے ہیں.... وہ تھانے کا مخبر ہے۔ وہ میرے جرائم سے اچھی طرح واقف ہے۔ ایک روز اُس نے مجھے کہا کہ ایک لڑکی نے اُس کی نیند حرام کر دی ہے۔ پھر وہ مجھے بتاتا رہا کہ اُس نے لڑکی کو پیغام بھیجے ہیں لیکن وہ ہاتھ نہیں آتی۔ ایک روز وہ غصے میں میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لڑکی (شکوری) نے اُس کی بے عزتی کر دی ہے۔ اب وہ اُسے خراب کر کے ہی دم لے گا۔ علی رضا کے پاس زمین بہت ہے اور پیسہ بھی ہے۔ وہ پولیس کا مخبر اس لئے بنا ہوا ہے کہ اُس کی اپنی کرتوت پر پردہ پڑا رہے....

"اُس نے مجھے کہا کہ سنا ہے کالے علم سے کسی بھی انسان کو اپنے زیر کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ لڑکی کو دھوکے سے باہر بلاؤ اور پکڑ لو۔ اُس نے کہا کہ گاؤں میں میری حیثیت اچھی اور عزت ہے، دوسری وجہ یہ کہ لڑکی باہر نہیں آتی۔ مجھے کوئی عامل یا جوگی بتاؤ جو مجھے کوئی ٹونہ یا تعویذ بتائے۔ میرے مُنہ سے نکل گیا کہ میں ایک عمل کر سکتا ہوں لیکن

وہ بہت مشکل ہے اور میرے لئے خطرناک بھی ہو سکتا ہے ....

"علی رضا میرے پیچھے پڑ گیا۔ یقین کرنا کہ اُس نے پانچ سو روپیہ میرے آگے رکھ دیا اور کہنے لگا کہ اور مانگو گیا مانگتے ہو، زمین مانگو، نقد مانگو۔ میں لڑکی کو خراب کر کے چھوڑ دوں گا۔ میں نے اُسے کہا کہ کالے بکرے کی سری لے آؤ اور اسی بکرے کا دل بھی ساتھ ہو۔"

اِس بہروپیئے سادھو نے مجھے کچھ اور چیزیں بھی بتائی تھیں جو اُس نے علی رضا کو لانے کے لئے کہا تھا۔ مجھے بکرے کی سری اور دل یاد رہ گیا ہے۔ اُس نے کسی پھول کا بھی نام لیا تھا جو عام نہیں ہوتا۔ جنگلوں میں کہیں کہیں ہوتا ہے۔

علی رضا کالے بکرے کی سری اور دل لے آیا۔ شفاعت نے اُسے کہا کہ یہ سری لڑکی کے گھر کے دروازے کے سامنے بلکہ دہلیز کے ساتھ زمین میں دبانی ہے تاکہ لڑکی اس کے اُوپر سے گزرے اور دل کسی ویران جگہ زمین میں دبانا ہے۔ شفاعت نے تعویذ یا نقش لکھ کر ایک بکرے کی سری کے منہ میں ڈالا اور ایک دل کے اندر داخل کر دیا۔

علی رضا نے دو روز بعد شفاعت کو بتایا کہ وہ دونوں چیزیں اُس کی بتائی ہوئی جگہوں میں دفن کر آیا ہے۔

شفاعت نے اُسے کچھ اور کرنے کو بھی کہا تھا جو اُس نے کر دیا۔ شفاعت نے تیرہ راتیں جاگ کر اپنا کوئی عمل کیا۔ وہ کہتا تھا کہ عمل بڑا ہی سخت تھا جو اُس نے کر لیا اور ایک رات لڑکی اپنے آپ اُس کی گُفت میں آگئی۔

شفاعت کا علم یہاں پر ختم ہو گیا۔ اُسے یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ لڑکی سے یہ اثر صاف ہو گیا تو یہ مصیبت کھڑی کر دے گی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ لڑکی کو زیادہ دیر تک اس اثر میں کس طرح رکھنا ہے۔ اُس نے سوچا کہ وہ علی رضا کے گھر جا کر اُسے ساتھ لے آتے اور لڑکی اُس کے حوالے کر دے۔

"خدا کی قسم سرکار!" — شفاعت نے کہا — "میرے آگے کوئی ساری دُنیا کی دولت رکھ دے، میں یہ کام پھر کبھی نہیں کروں گا۔ لڑکی میرے سامنے بیٹھی تھی اور مجھے اس طرح پتہ چل رہا تھا کہ گُف کے باہر جن بھوت ناچ رہے ہیں۔ میں جان گیا کہ عمل اُلٹ ہو رہا ہے اور اب میری خیر نہیں۔ اتنے میں واحدی آنکلا۔ میں واحدی کو جانتا ہوں۔ میں نے اُسے کہا کہ لڑکی کو لے جاؤ لیکن تین گھنٹوں کے اندر اندر ٹھکانے پہ پہنچا دینا۔ میں نے دو ہزار قیمت بتائی۔ اُس نے دو سو روپیہ دے کر کہا کہ باقی پھر دوں گا۔ میں نے اُسے کہا کہ رقم آجائے گی، تم لڑکی کو لے جاؤ۔"

"تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ اتنا قیمتی مال علی رضا کیوں لے جاتے؟"

"میں نے کہا تھا" — اُس نے جواب دیا — "لیکن اصل وجہ خوف تھی.... میں نے لڑکی سے جان چھڑا لی اُسے واحدی لے گیا۔ علی رضا کو میں نے کہہ رکھا تھا کہ عمل پورا ہو گیا تو میں اُسے اطلاع دوں گا اس لئے وہ میرے پاس نہ آیا...."

وہ بولتے بولتے چُپ ہو گیا، اور کچھ سوچنے لگا۔

"جناب!" — اُس نے مسکراتے ہوئے کہا — "میں نشے سے لوٹا ہُوا نہ ہوتا تو آپ میرے سینے سے یہ راز کبھی نہ نکال سکتے۔ اب مجھے ایک سوچ آئی ہے۔ میں آپ کو یہ راز کس قیمت پر دے رہا ہوں؟ کیا آپ مجھے وعدہ معاف گواہ بنائیں گے؟ مجھے کیا رعایت دیں گے؟"

میں اُس کے سامنے کرسی پر اور وہ بنچ پر بیٹھا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اُسے کوئی بھی رعایت نہ دوں تو وہ کیا کرے گا؟

اُس نے بے تکلف دوستوں کی طرح میری ران پہ ہاتھ مارا اور کہا — "یہ کر کے دیکھ لو۔ میں زبان بند کر لیتا ہوں۔ میری ہڈیاں توڑ دو، میری زبان نہیں کھلے گی .... آپ میری زبان کو چلتا رکھیں سرکار! میں بڑے کام کا آدمی ہوں۔"

اور وہ رونے لگی

وہ مجھے ملزموں کی طرح بیان نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بھی تھ
والا رویہ نہیں رکھا تھا۔ اُس نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ بڑے کام کا آدمی ۔
ایسے آدمی پولیس کے لئے آنکھیں اور کان ہوتے ہیں۔ تھانیدار کو جو چ
نہیں آتی، وہ یہ لوگ دکھا دیتے ہیں۔ اُس نے وعدہ معاف گواہ بننے ک
کی اور رعایت کی بات کی تو کچھ دیر تک ہماری باتیں اسی پہ ہوتی رہیں
نہیں کہ میں آپ کو وہ سارے مکالمے سناؤں۔ ایک خاص بات
ابھی سُنا دیتا ہوں۔

میں سمجھ گیا تھا کہ لڑکی کس طرح گھر سے نکالی گئی ہے اور لڑکی
کرنے میں سادھو کا کتنا کچھ عمل دخل ہے۔ لڑکی واحدی لے گیا تھا۔ س
یعنی شفاعت عرف شُفتا کو سزا دلانا تو درکنار میں اُسے گرفتار بھی نہ
کر سکتا تھا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ کالے علم کے متعلق قانون بہت ہی ڈھیلا تھ
نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں نے ایسے دو کیسوں میں ملزموں کو سزا دلائی
اُن کیسوں میں مجھے کچھ گنجائش نظر آگئی تھی اور میں نے جھوٹے سچے گوا
سے پیڈنگ کر لی تھی۔ دونوں کیسوں میں پی پی (سرکاری وکیل) بڑے
مل گئے تھے۔ شفاعت کے حق میں یہ بات بھی جاتی تھی کہ لڑکی اُس
سے برآمد نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے خلاف ذرا سی بھی شہادت نہیں تھ
کے اپنے بیان پر اُسے سزا نہیں دلائی جا سکتی تھی۔ وہ کورٹ میں
منحرف بھی ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ شفاعت کو م
میں لے جاؤں تو بھی اسے سزا نہیں ملے گی۔ مجھے یہ بھی احساس

ہندو اپنے سادھو مہاراج کو چھڑانے کے لئے بڑا قابل وکیل کورٹ میں بھیجیں گے۔ میں نے ان حالات میں سوچا کہ اسے بری ہی ہونا ہے تو کیوں نہ میں اس کے سر پہ اپنا احسان رکھوں۔ اگر آگے چل کر مقدمے کی صورت کچھ اور ہو گئی تو اسے وعدہ معاف گواہ بنا لوں گا۔ میں وعدہ معاف گواہ کا قائل نہیں تھا لیکن کیس کی صورت کچھ اور بنتی جا رہی تھی۔

"دیکھ شُفتے!" — میں نے اُسے کہا — "تم نے مجھے مسلمان بھائی کہا ہے اور مجھے دل کا راز دے دیا ہے۔ دل میں جو کچھ ہے میرے آگے رکھ دو اور اپنے آپ کو وعدہ معاف گواہ سمجھو.... میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ مجھے ذرا سی بھی گنجائش مل گئی تو تمہیں گرفتار ہی نہیں کروں گا۔ کہو گے تو گواہ بھی نہیں بناؤں گا۔"

اُس نے میری ران پہ ایک اور تھپڑ مار کر اور ہاتھ میرے آگے کر کے کہا — "ہاتھ آئے" — میں نے اُس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا تو اُس نے کہا — "خدا کی قسم وہ عیش کراؤں گا، آپ کہیں گے جنّت اور کیا ہو گی۔ شہر کی کسی ہندو لڑکی کی طرف اشارہ کر دینا اور ہماری گُپھ میں آجانا۔ کہو گے تو پریاں آپ کے گھر میں اُتار دوں گا۔ یہاں کے ہِندو بھی مجھے بھگت کہتے ہیں، پر ہوں میں بگلا بھگت۔ یاد رکھنا، یہ تیرا میرا راز ہے۔ پُلسیوں والا ہاتھ نہ کر جانا۔"

وہ چرس کے کش لگائے چلا جا رہا تھا۔ کمرہ دُھوئیں سے بھر گیا اور مجھے چکر آنے لگے۔ میں نے کھڑکیاں اور پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اتنی چرس پی کر بھی وہ نارمل باتیں کر رہا تھا۔ اُس پر نشے کا اثر خاصا تھا۔ ہم دونوں کا مسئلہ یہ تھا کہ اُسے میری ضرورت تھی اور مجھے اُس کی ضرورت تھی۔ میں نے اُس کے ساتھ معاہدہ طے کر لیا۔ مجھے اُس کی اصلیت چھپا کر رکھنی تھی اور اُسے میرا خفیہ مُخبر بننا تھا۔ یہ پولیس کی چکر بازیاں ہوتی ہیں۔ ہر تھانیدار کو یہ چکر چلانے پڑتے ہیں۔ میں نے بھی معاہدہ کر لیا لیکن ابھی یہ دیکھنا تھا کہ وہ آگے کیا کچھ بتاتا ہے۔

اُس نے آگے جو کہانی سنائی وہ یوں تھی کہ واحدی دو سو روپیہ دے

کر لڑکی کو لے گیا۔ شفاعت خوش تھا کہ واحدی سے اُسے اگر زیادہ نہیں تو ڈیڑھ ہزار روپیہ مزید ضرور مل جائے گا۔ واحدی تین روز بعد شفاعت کے پاس آیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اُس نے شفاعت کو بتایا کہ وہ لڑکی کو لے جا رہا تھا تو راستے میں اُسے چار آدمی مل گئے۔ انہوں نے لڑکی کو پکڑ لیا۔ واحدی نے اُن سے لڑائی جھگڑا کیا۔ وہ واحدی کو بھی رسیوں میں باندھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ اکیلا چار آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

لڑکی ابھی تک پُراسرار اثر میں تھی۔ اُسے جیسے پتہ ہی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔ واحدی نے شفاعت کو بتایا کہ وہ ان دونوں کو جہاں لے گئے، وہ رُحمے رہزن کا ٹھکانہ تھا۔ یہ چاروں رُحمے کے آدمی تھے جو کہیں سے آ رہے تھے کہ راستے میں انہیں واحدی اور شکوری نظر آ گئے۔ شکوری ان کے اُستاد کے لئے بڑا خوبصورت تحفہ تھی۔

واحدی رُحمے کو جانتا تھا۔ رُحما اُس علاقے کا مشہور ڈکیت اور رہزن تھا۔ اُس کا ٹھکانہ دوسرے تھانے کے علاقے میں تھا۔ میں آپ کو اُس زمانے کے ڈاکوؤں اور رہزنوں کے متعلق پہلے کبھی بہت کچھ بتا چکا ہوں وہ آج کل کے شہروں کے جرائم پیشہ لوگوں سے بہت مختلف ہوتے تھے۔ انہیں پولیس کی یا پولیس کے کسی اعلیٰ افسر کی حمایت حاصل نہیں ہوتی تھی بلکہ پولیس کے ساتھ اُن کی مسلسل جنگ رہتی تھی۔ انہیں دیہات کے لوگوں کی حمایت حاصل ہوتی تھی۔ وہ ڈاکو بہت بڑی اسامیوں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ رُحما اتنا زیادہ طاقتور تو نہیں تھا لیکن اس میدان میں اُس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

رُحما اپنے ٹھکانے پر ہی تھا۔ لڑکی اور واحدی کو رُحمے کے سامنے لے گئے۔ رُحما لڑکی کو دیکھ کر ایک تو اس وجہ سے حیران ہُوا کہ لڑکی بہت ہی خوبصورت تھی اور حیرت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ لڑکی اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اُسے کہا بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ گئی۔ اُسے کہا اُٹھو تو وہ اُٹھ کھڑی ہُوتی

"کیوں واحدی!" ــــ رُحمے نے اُس سے پوچھا ــــ "یہ کیا ہے؟ تم نے

اسے کچھ سونگھایا ہے یا کچھ پلا رکھا ہے؟"

"ایک سادھو سے اسی حالت میں خریدی ہے" ــــ واحدی نے جواب دیا ــــ "وہ کہتا تھا کہ کالے جادو کے زور سے وہ لڑکی کو گف میں لایا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ تین گھنٹوں کے اندر لڑکی کو ٹھکانے پر لے جانا پھر اس سے اثر اُتر جائے گا .... یہ سادھو کہتا ہے۔"

"اثر اُتر جائے گا تو تم کیا کرو گے؟" ــــ رُحمے نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو اُستاد! یہ میرا پیشہ ہے" ــــ واحدی نے کہا ــــ "کچھ کر لوں گا" ــــ اُس نے منت سماجت کے لہجے میں کہا ــــ "میرے کاروبار میں لات نہ مارو اُستاد! تمہیں کیا کمی ہے۔ اگر لڑکی کو رکھنا ہے تو سودا کر لو۔"

"نہ واحدی!" ــــ رُحمے نے کہا ــــ "میں نے کبھی کوئی عورت خریدی نہیں اور کسی سے کبھی عورت چھینی بھی نہیں۔ میرے آدمی مجھے خوش کرنے کے لئے لڑکی کو اور تمہیں پکڑ کر لے آتے ہیں۔ کچھ دیر بیٹھو۔ گپ شپ لگاؤ اور اپنا مال لے جاؤ۔"

واحدی بھی جرائم کی دنیا کا آدمی تھا۔ رُحما اُسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے یہ چار آدمی جو واحدی اور شکوری کو رُحمے کے پاس لے گئے تھے، واحدی کو شاید جانتے تھے۔ رُحمے نے واحدی کو خاطر تواضع کے لئے روک لیا اور کہا کہ وہ رات وہاں گزارنا چاہے تو رُک جائے لیکن واحدی جلدی میں تھا۔

شکوری کو وہیں چارپائی پر بٹھا دیا گیا تھا۔ اچانک شکوری بیدار ہو گئی۔ اُس نے ادھر اُدھر دیکھا اور اُٹھ کھڑی ہُوئی۔

"میں کہاں ہوں؟" ــــ اُس نے پوچھا ــــ "تم سب کون ہو؟" ــــ اور وہ رونے لگی۔

وہ تمہیں لڑکی دے دے گا

شکوری دروازے کی طرف دوڑی۔ اُسے پکڑ لیا گیا۔ وہ چیختی چلّاتی اور کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ شفاعت کے عمل کا اثر ختم ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس پر قابو پایا گیا۔

رَحمے نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور گھر سے کس طرح نکلی ہے۔ اُس نے بتایا کہ میں اپنے گھر میں اپنی چارپائی پر سوتی تھی، اب یہاں ہوں۔ اُس نے اپنے باپ اور اپنے خاندان کے متعلق بتایا اور رَحمے کو یقین دلانے کے لئے کہا کہ وہ شریف اور باعزّت گھر کی شریف لڑکی ہے اور اُس کی منگنی ہو چکی ہے۔

مختصر یہ کہ شکوری نے رو رو کر اپنے متعلق اور اپنے گھر کے متعلق سب کچھ بتایا۔

"کیا تم کبھی کسی سادھو، سنیاسی یا جوگی کے پاس گئی ہو؟" — رَحمے نے اُس سے پوچھا۔

"میں مسلمان ہوں" — شکوری نے کہا — "مجھے سادھوؤں سنیاسیوں کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں پانچ وقت نماز پڑھتی ہوں۔ میں تو کبھی کسی پیر کے پاس بھی نہیں گئی۔ میں صرف خدا، رسولؐ اور قرآن مجید کو مانتی ہوں" — اُس نے ڈرے ہوتے لہجے میں پوچھا — "کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟ خدا کے لئے مجھ کو بتاؤ۔"

رَحمے نے اُسے بتایا کہ اُسے گھر سے کس طرح نکالا گیا ہے۔ وہ بہت گھبرائی اور پھر رونے لگی۔ رَحمے نے اُس سے پوچھا کہ اُن کا کوئی دشمن ہے؟ شکوری نے جواب دیا کہ اُس کا خاندان ایسا ہے کہ ان کا کوئی دشمن ہو ہی

نہیں سکتا۔

سوال جواب ہوتے تو شکوری نے بتایا کہ اُس کے گاؤں میں علی رضا نام کا ایک آدمی ہے جو اُس کے پیچھے پڑ گیا تھا لیکن شکوری نے اُس کی بے عزّتی کر دی۔ علی رضا نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اُسے خراب کر کے دم لے گا۔

"میرے ابّا جان بہت شریف آدمی ہیں" — شکوری نے کہا — "میں نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ علی رضا مجھے تنگ کرتا ہے اور اُس نے مجھے یہ دھمکی دی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ علی رضا بدمعاش آدمی ہے، میرے ابّا جان کی بے عزّتی کر دے گا.... کیا تم ایک شریف اور کنواری لڑکی کی عزّت کی حفاظت نہیں کر سکتے؟"

"کیوں نہیں کر سکتا؟" — رَحمے نے کہا — "میں نے تمہیں گھر سے نہیں نکلوایا۔ تم خوش قسمت ہو کہ میرے پاس پہنچ گئی ہو۔ میں تمہیں اس آدمی کے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔ میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا دوں گا اور تم کنواری رہو گی۔"

"میرا کاروبار خراب نہ کرو رَحمے!" — واحدی بول پڑا — "یہ بکواس کرتی ہے۔ شفتے کے پاس خود آئی ہو گی۔ میں نے تو تمہیں وہ بات بتائی ہے جو مجھے شفتے نے بتائی تھی۔ میری رقم کا کیا بنے گا؟"

"واحدی بھائی!" — رَحمے نے اُسے کہا — "میرا یہ پیشہ (ڈکیتی) آبائی ہے۔ باپ دادا یہی کام کرتے چلے آتے ہیں۔ باپ نے وصیّت کی تھی کہ مجبور عورت پر، بچے پر اور بوڑھے پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ صرف اُس عورت کو اپنے پاس رکھنا جو اپنی خوشی سے کہے کہ وہ تمہارے پاس رہنا چاہتی ہے.... میں تم پر یہ کرم کرتا ہوں کہ لڑکی نہ تمہیں دیتا ہوں نہ اسے اس کے گھر بھیجتا ہوں، پہلے میں شفتا سے بات کر لوں.... میں علی رضا کو جانتا ہوں۔ اُس نے ایک بار میری مُخبری کی تھی.... لیکن واحدی! جب تک مجھے اس لڑکی کے متعلق پورا علم نہ ہو جاتے، تم یہیں رہو گے۔ واپس آ کر بتاؤں گا کہ میں کیا کروں گا۔"

لڑکی کو رُحمے نے اپنی بیوی کے حوالے کر دیا۔ لڑکی کو اُس نے تسلّی دی کہ یہاں اُس کی عزت بالکل محفوظ رہے گی۔ لڑکی روتی تھی۔ رُحمے نے اُسے سمجھایا کہ وہ بہت بڑے خطرے میں ہے، خاموشی سے یہیں رہے اور اُسے گھر پہنچا دیا جائے گا۔

رُحما کسی وجہ سے شفاعت کے پاس نہ جا سکا۔ اگلا دن اور اگلی رات بھی گزر گئی۔ واحدی تنگ آ گیا۔ اُس نے رُحمے سے کہا کہ وہ لڑکی سے دستبردار ہوتا ہے اور شفاعت سے جا کر اپنی رقم مانگے گا۔

"جاؤ واحدی!" — رُحمے نے اُسے کہا — "لیکن کان کھول کر سُن لو۔ اگر تم لڑکی کی نشاندہی کر دی اور پولیس کو میرا ٹھکانہ بتا دیا تو تم مجھے جانتے ہو تمہارے پورے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔"

واحدی ایسی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ وہاں سے شفاعت کے پاس واپس آیا اور یہ ساری کہانی اُسے سنائی۔ شفاعت اتنا کچا نہیں تھا کہ اُسے دو سو روپیہ واپس کر دیتا۔ اُس نے واحدی سے کہا کہ وہ پوری رقم ادا کرے، ورنہ اُسے بہت خراب کیا جائے گا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ شفقتے!" — میں نے اُس سے پوچھا — "کیا تم لڑکی کو ایک بار پھر اپنے اثر سے واپس نہیں لا سکتے تھے؟"

"نہیں جی!" — اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا — "یہ بڑا اُلٹا عمل ہے۔ میں تو ایک بار کر کے پچھتا رہا تھا۔ اگر یہ کام اتنا آسان ہوتا تو لوگ ایک دوسرے کی بیٹیوں کو خراب کرتے پھرتے۔"

شفاعت علی نے مجھے سنایا کہ رُحمے کے ساتھ اُس کا دوستانہ تھا۔ اُس کا کاروبار رُحمے کے ساتھ بھی چلتا تھا۔ رُحمے سے پہلے واحدی اُس کے پاس آ گیا۔ شفاعت نے اُسے ڈرا دھمکا کر بھگا دیا۔ اُس رات رُحما اُس کے پاس آیا اور شکوری کے متعلق پوچھا۔ شفاعت نے اُسے پوری تفصیل سے سنایا کہ لڑکی اُس کے پاس کس طرح آئی تھی۔ اُس نے علی رضا کے متعلق بھی بتایا۔

"کیا میں یقین کر لوں کہ لڑکی عزت دار اور شریف گھرانے کی ہے؟"

"اگر شریف نہ ہوتی تو علی رضا نے جو جو لالچ دیتے تھے، وہ قبول کر لیتی" — شفاعت نے کہا — "علی رضا کہتا تھا کہ یہ لڑکی جادو کے زور سے ہی آ سکتی ہے۔"

"میں لڑکی کو اُس کے ماں باپ کے حوالے کر دوں گا" — رُحمے نے کہا — "میرے باپ دادا نے کسی مجبور عورت پر کبھی ظلم نہیں کیا تھا۔ میرا باپ کہا کرتا تھا کہ اس طرح کاروبار سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔"

غور کریں کہ وہ لوگ ڈکیتی اور رہزنی کو جائز اور بابرکت پیشہ سمجھا کرتے تھے۔ رُحمے نے یہ بھی کہا کہ علی رضا اُس کے ہاتھ چڑھ گیا تو اُسے وہ قتل نہیں کرے گا لیکن جینے کے قابل بھی نہیں چھوڑے گا۔ رُحمے نے کہا کہ وہ پولیس کا مخبر ہے اس لئے بدمعاش بنا پھرتا ہے اور شریف لوگوں کی عزت سے کھیلتا ہے۔

شفاعت نے رُحمے سے کہا کہ ایسی بات ہے تو وہ علی رضا کو اُس تک پہنچا دے گا۔

"کسی طرح اُسے مجھ تک پہنچا دو" — رُحمے نے کہا۔

"پہنچا سمجھو" — شفاعت نے کہا۔

"اور میری ایک بات کان کھول کر سُن لے شفقتے!" — رُحمے نے اُسے کہا — "اگر تیرے ہاتھ میں واقعی کوئی جادو یا علم ہے تو یہ شریف گھروں پر مت چلا۔ تمہیں شاید معلوم ہو گا کہ یہ علم اُلٹا بھی ہو جایا کرتا ہے۔"

"میری توبہ اُستاد!" — شفاعت نے کان پکڑ کر کہا — "میں لالچ میں آ کر یہ عمل کر تو بیٹھا ہوں لیکن میری حالت ٹھیک نہیں رہی۔"

رُحما واپس چلا گیا۔ شفاعت نے مجھے سنایا کہ اُسی روز یعنی رُحمے کے آنے سے پہلے علی رضا شفاعت کے پاس آیا تھا اور اُسے بتایا کہ شکوری گھر سے غائب ہے۔ شفاعت کو تو معلوم ہی تھا۔ شفاعت نے اُسے

کہا کہ شکوری کو اُس نے غائب کیا ہے لیکن ذرا سی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ معلوم کرے گا کہ کہاں پہنچ گئی ہے۔ شفاعت نے اُسے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ اُس نے اُس سے پیشگی رقم لی ہوتی تھی جو شفاعت اُسے واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ علی رضا کو معلوم تھا کہ شفاعت عمل کر رہا ہے۔

اگلے ہی روز کسی عورت کی کھائی ہوئی لاش برآمد ہو گئی جسے سب انسپکٹر بمل داس نے شکوری کی لاش کہہ دیا۔ علی رضا کو معلوم تھا کہ یہ لاش شکوری کی نہیں۔ لاش کی برآمدگی کے بعد رات کو علی رضا پھر شفاعت کے پاس گیا۔ شفاعت نے اُسے بتایا کہ اُس نے شکوری کو ڈھونڈ لیا ہے۔

"ایک بات بتاؤ"۔۔۔ میں نے پوچھا ۔۔۔ "کیا علی رضا کو تمہاری اصلیت کا علم ہے؟"

"نہیں"۔۔۔ شفاعت نے جواب دیا ۔۔۔ "وہ مجھے بھگت کبیر جیسا سادھو سمجھتا ہے۔ آپ ذرا خیال رکھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ بھی آپ کے سامنے آتے گا۔"

شفاعت نے علی رضا کو بتایا ۔۔۔ "میرے عمل سے لڑکی گھر سے نکل آئی تھی لیکن مجھے اشارہ نہ ملا۔ لڑکی پر کالا اثر تھا اس لئے وہ سیدھی آگے نکل گئی۔ میں اُس وقت ایک اور عمل میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب میں نے لڑکی والے عمل کی طرف توجہ دی تو مجھے اشارہ ملا کہ لڑکی آگے نکل گئی ہے۔ میں نے اپنا حساب کتاب جوڑا تو اشارہ ملا کہ لڑکی پُوربھ کی طرف ایک ٹھکانے پر پہنچ گئی ہے۔"

شفاعت نے اپنی اوٹ پٹانگ اصطلاحوں میں بات کرتے ہوئے علی رضا کو رُحمے کا ٹھکانہ بتا دیا اور کہا کہ لڑکی وہاں سے گزر رہی تھی تو رُحمے کے آدمیوں نے پکڑ کر اُسے رُحمے کے حوالے کر دیا۔ شفاعت نے علی رضا کو رُحمے کا ٹھکانہ اس لئے بتا دیا تھا کہ وہ علی رضا کو پیسے واپس نہیں کرنا چاہتا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ رُحمے نے اُسے کہا تھا کہ

علی رضا کو کسی طرح اس کے ٹھکانے تک پہنچا دو۔

"تم رُحمے کے پاس چلے جاؤ"۔۔۔ شفاعت نے اُسے کہا ۔۔۔ "وہ تمہیں لڑکی دے دے گا۔"

"میں لڑکی کو لے کر کیا کروں گا"۔۔۔ علی رضا نے کہا ۔۔۔ "میں نے قسم کھائی تھی کہ اُسے خراب کروں گا۔ اپنی قسم پُوری کر کے لڑکی رُحمے کے پاس ہی رہنے دوں گا۔"

"مجھے یہاں تک ہی معلوم ہے کہ علی رضا رُحمے کے ٹھکانے کی طرف چلا گیا تھا"۔۔۔ شفاعت نے مجھے بتایا ۔۔۔ "اس کے بعد نہ رُحمے سے میری ملاقات ہوتی نہ علی رضا سے۔ اگر علی رضا گاؤں میں ہوتا تو میرے پاس ضرور آتا۔ وہ رحمے کے پھندے میں آگیا ہے۔"

"رُحمے نے اُسے قتل کر دیا ہوگا"۔۔۔ میں نے کہا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا"۔۔۔ شفاعت نے کہا ۔۔۔ "وہ کہتا تھا کہ اُسے قتل نہیں کروں گا۔"

انگریز انسپکٹر جوجی پر مر مٹا

اس جعلی سادھو کا بیان یہیں پر ختم ہو گیا۔ میرے لئے یہ بالکل ضروری نہیں تھا کہ میں اس شخص کے سارے بیان کو صحیح مان لیتا۔ یہ جرائم کی دُنیا کے لوگ تھے۔ رحما بیشک خاندانی ڈاکو تھا لیکن شفاعت علی بڑا کائیاں شخص تھا۔ اُس کی زبان میں ایسی چاشنی اور ایسا تاثر تھا کہ مجھ جیسا پتھر بھی متاثر ہو گیا۔

اگر شفاعت کا بیان صحیح تھا تو شکوری رُحمے کے پاس تھی۔ علی رضا کی گمشدگی کی بھی رپورٹ تھی۔ شفاعت کے بیان کے مطابق علی رضا بھی رُحمے کے پاس تھا یا اُس نے اُسے قتل کر دیا تھا۔

رُحمے سے لڑکی واپس لینے کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ میں اُسے

دوستانہ پیغام بھیجتا کہ لڑکی مجھے دے دو اور میں کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ ڈاکوؤں کے ساتھ پولیس کسی طرح رابطہ قائم کر لیا کرتی تھی۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں رُحمے کے ٹھکانے پر چھاپہ مارتا۔ اس کا مطلب تھا مقابلہ۔ اس صورت میں ایسا ہونا یقینی تھا کہ رُحما لڑکی کو قتل کر دیتا۔ میں رُحمے سے بھیک مانگنے کے لئے تیار نہ تھا۔ البتہ یہ سوچا کہ ڈی۔ ایس۔ پی سے بات کروں گا اور اُس کے حکم کے مطابق کارروائی کروں گا۔

اس دوران ایک ایسا واقعہ ہوگیا کہ میں پولیس سے استعفٰی دینے کے لئے تیار ہوگیا۔ میں صبح شفاعت کا بیان لے رہا تھا تو ڈسٹرکٹ پولیس کا ایک انگریز انسپکٹر زیڈ۔ جی۔ ایونز آگیا۔ وہ وردی میں نہیں تھا۔ میں بیان روک کر اُسے ملا۔ وہ اس علاقے میں ہرن اور چیتل کا شکار کھیلنے آیا تھا اور ڈاک بنگلے میں ٹھہرا تھا۔ وہ ایک تو یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ وہ میرے علاقے میں آیا ہوا ہے اور تھانے میں اُس کے آنے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اُسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔

وہ علاقہ شکار کا تھا۔ انگریز افسر اور راجے، مہاراجے اور نواب شکار کھیلنے کے لئے آتے رہتے تھے، اس لئے شکاریوں کے ساتھ جانے والے آدمی مل جاتے تھے۔ یہ ایک پیشہ بن گیا تھا۔ میں نے انسپکٹر ایونز سے کہا کہ میں کسی تجربہ کار آدمی کو ڈاک بنگلے میں بھیج دوں گا۔

میں نے اُس لڑکی (جوجی) کو تھانے بٹھایا ہوا تھا جس کی انگلی سے شکوری کی انگوٹھی برآمد ہوئی تھی۔ میں سُنا چکا ہوں کہ وہ گورے رنگ کی بڑی دلکش لڑکی تھی اور اُس کے قد کاٹھ میں تو اور زیادہ کشش تھی۔ چونکہ وہ شریف لڑکی نہیں تھی اس لئے اُس کے چہرے پر، آنکھوں میں اور اُس کی مسکراہٹ میں گناہ کا تاثر بڑا صاف تھا۔ اس تاثر میں کچھ اور ہی کشش تھی۔

انسپکٹر ایونز میرے ساتھ باتیں کر رہا تھا تو جوجی سامنے آگئی۔ اُسے میں نے حراست میں تو نہیں لیا تھا، تھانے میں پابند رکھا ہوا تھا۔ انسپکٹر ایونز

نے اُسے دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور تھانے میں کیا کر رہی ہے۔ میں نے اُسے مختصر الفاظ میں بتایا۔

"مُلزم تو نہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں" — میں نے جواب دیا — "گواہ ہے۔ ہو سکتا ہے نادانستہ طور پر اس واردات میں ملوث ہو"

"بہت خوبصورت لڑکی ہے" — اُس نے کہا — "مسٹر ملک! تم نے نوٹ کیا ہوگا کہ ہندوستان کی عورتوں میں جو کشش ہے وہ ہماری انگریز عورتوں میں نہیں"

اُس نے حُسن کی باتیں شروع کر دیں اور جتنی دیر جوجی سامنے رہی وہ اُسے دیکھتا رہا۔

اُس کے جانے کے بعد میں نے اے۔ ایس۔ آئی سے جو پہلے اے۔ ایس۔ آئی نارائن کی جگہ مجھے دیا گیا تھا، کہا کہ وہ انسپکٹر ایونز کے لئے کسی تجربہ کار آدمی کا بندوبست کرے اور اُسے ڈاک بنگلے میں اُس کے پاس چھوڑ آئے۔

میں پھر جعلی سادھو شفاعت کے ساتھ مصروف ہوگیا۔ اس دوران تھانے کے کئی مسئلے میرے سامنے آئے۔ ان کی طرف بھی توجہ دی اور دن گزر گیا۔ شام کے کھانے کے لئے میں گھر گیا اور رات کو تھانے میں آیا اور پھر شفاعت کو بٹھا لیا۔ وہ بڑی کارآمد نشاندہیاں کر رہا تھا۔ بڑے اچھے سراغ دے رہا تھا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ میں کمرے سے نکلا۔ اپنے آپ کو ذرا ٹھنڈی ہوا لگوانا چاہتا تھا۔ برآمدے سے نیچے اُترا تو احاطے کے گیٹ کی طرف سے کسی عورت کے گانے کی آواز آئی۔ وہ کسی سُر تال میں نہیں گا رہی تھی۔ میں اُس طرف چلا گیا۔ وہ بلب کی روشنی میں آئی تو میں نے اُسے دیکھا۔ وہ جوجی تھی۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ قدم رکھتی کہیں اور پڑتا کہیں اور تھا۔ اُس کی آواز بھی ڈگمگا رہی تھی۔ وہ نشے میں تھی۔

میں تو یہی دیکھ کر حیران ہو گیا تھا کہ جوجی کو تھانے کے اندر ہونا چاہیئے تھا اور وہ باہر سے آ رہی تھی مگر یہ دیکھ کر میں پریشان ہو گیا کہ جوجی نے صرف قمیض پہن رکھی تھی اور وہ بغیر شلوار کے تھی۔ میں نے آگے جا کر اُسے روکا اور غصے سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے۔

"ارے ہٹ راستے سے ہندوستانی تھانیدار!" — اُس نے نشے سے جھومتی ہوتی آواز میں کہا — "میں انگریز افسر کی میم ہوں۔ ڈاک بنگلے سے آتی ہوں" — اُس نے اس قدر پی رکھی تھی کہ بڑی مشکل سے اُس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے تھے — "ہٹ آگے سے۔ میں اب تھانے میں نہیں آؤں گی" — وہ گیٹ کی طرف مُڑی۔

میں نے پیچھے سے اُس کے کندھے پکڑے اور اُسے زور سے اپنی طرف گھُما کر اس سے زیادہ زور سے اُس کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ وہ مجھ سے چھ سات قدم دور جا گری۔ میں چونکہ تھانے میں تفتیش کر رہا تھا اس لئے ایک ہیڈ کانسٹیبل اور چار پانچ کانسٹیبل میرے ساتھ جاگ رہے تھے۔ وہ سب دوڑے آئے۔ جوجی اُٹھ نہ سکی۔ وہ ننگی ہو گئی تھی۔ میرے کہنے پر ایک کانسٹیبل چادر اُٹھا لایا جو اُس پر ڈالی اور اُسے اُٹھا کر اندر لے گئے۔

"یہ باہر کس طرح چلی گئی تھی؟" — میں نے اپنے آدمیوں سے پوچھا — "کیا تم سب سو گئے تھے؟"

"اسے سوامی جی اپنے ساتھ لے گئے تھے" — ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

سوامی میرا نیا اے۔ایس۔آئی تھا۔ مجھے آگ لگ گئی۔ اُس کی یہ جرأت کہ تھانے سے ایک شاملِ تفتیش لڑکی کو اپنے گھر لے گیا تھا؟

"اپنے گھر نہیں ملک صاحب!" — ہیڈ کانسٹیبل نے کہا — "اسے سوامی جی ڈاک بنگلے میں اُس گورے انسپکٹر کے پاس لے گئے تھے جو دن کو یہاں آیا تھا۔"

مجھے یاد آیا کہ انسپکٹر ایونز جوجی کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا تھا اور اُس کو دیکھتا رہا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اے۔ایس۔آئی اُس وقت تھانے

سے جوجی کو ساتھ لے گیا تھا جب میں اندر شفاعت کے ساتھ مصروف تھا۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا کہ اُس نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟

ہیڈ کانسٹیبل کے پاس جھوٹ بولنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اُس نے صاف بتا دیا کہ اے۔ایس۔آئی نے اُسے کہا تھا کہ انگریز انسپکٹر نے اُسے کہا ہے کہ اس لڑکی کو وہ رات کو اُس کے پاس ڈاک بنگلے میں چھوڑ جائے اور وہ اسے تھوڑی دیر بعد واپس بھیج دے گا۔ اے۔ایس۔آئی نے ہیڈ کانسٹیبل سے یہ بھی کہا تھا کہ انسپکٹر ایونز انہیں اس تھانے سے ہٹا کر ترقیاں دلاتے گا۔

اے۔ایس۔آئی سوامی کو میں نے ہی کہا تھا کہ انسپکٹر ایونز کو شکار پر ساتھ لے جانے کے لیے ایک آدمی کا بندوبست کر دے۔ وہ ایک آدمی کو ساتھ لے کر ڈاک بنگلے میں گیا تھا۔ اُس وقت انسپکٹر ایونز نے اُسے کہا تھا کہ جوجی کو رات اُس کے پاس بھیج دے۔ وہ انگریز افسر تھا۔ سوامی نے اُس کی فرمائش کو حکم سمجھا۔ بعد میں سوامی نے مجھے یہی بیان دیا تھا۔ اُس کے لئے ایک انگریز انسپکٹر کی فرمائش کو ٹالنا ممکن نہ تھا۔ اس انگریز نے اُسے ترقی کا لالچ دیا تھا۔ سوامی نے مجھ سے اس لئے نہ پوچھا کہ میں نہیں مانوں گا۔ میں واقعی ایسی بیہودہ بات نہ مانتا۔

اے۔ایس۔آئی سوامی اپنے گھر چلا گیا تھا۔ میں نے ایک کانسٹیبل سے کہا کہ وہ سوامی کو جگا کر لے آئے۔ جوجی بے سُدھ پڑی تھی اور میں جل بھُن رہا تھا۔

سوامی آ گیا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ جوجی کو ڈاک بنگلے میں لے گیا تھا؟ اُس کی غلامانہ ذہنیت کی انتہا تھی کہ اس نے ایک انگریز افسر کی یہ مجرمانہ فرمائش پوری کی۔ میں نے غصے سے پاگل ہو کر یہ مجرمانہ حرکت کی کہ سوامی جی کو پچھلے کمرے میں لے گیا اور اُسے پیٹنا جو شروع کیا تو اُس وقت چھوڑا جب اُس میں فرش سے اُٹھنے کی ہمت نہ رہی۔ مجھے ایسی اتھارٹی حاصل نہیں تھی لیکن میں ذاتی غصہ ٹھنڈا کر رہا تھا۔ میں نے اُسے اسی کمرے

میں بند کر دیا اور شفاعت سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔
باقی رات شفاعت کے ساتھ گزر گئی۔ میں نے اُسے گرفتار نہ کیا۔ وہ ابھی مشتبہ تھا۔ اُسے تھانے میں ہی رکھا۔

ایسی لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کروں گا

صبح طلوع ہوئی تو میں نے جوجی کو جگایا۔ نشہ اُتر چکا تھا لیکن وہ پریشان نہیں تھی۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ ڈاک بنگلے سے تھانے تک کس طرح آئی تھی۔ اُسے میرا تھپڑ بھی یاد نہیں تھا۔ اُس نے بتایا کہ چھوٹا تھانیدار اُسے ڈاک بنگلے میں لے گیا تھا۔ انسپکٹر ایونز نے اُسے کھلایا پلایا۔ وہ اردو بولتا تھا۔ اُس نے جوجی سے کہا کہ وہ اُس کی میم ہے اور اُسے وہ اپنے ساتھ انگلینڈ لے جائے گا۔ جوجی کے لئے یہی اعزاز بہت بڑا تھا کہ اُسے ایک انگریز افسر نے پسند کیا تھا۔ انگریز افسر نے کچھ دیر کے لئے اُسے اپنی میم بنایا اور اُسے خوب شراب پلائی۔ صاحب بہادر خود بھی زیادہ پی گیا اور سو گیا۔ جوجی نشے میں وہاں سے نکل آئی۔ اُسے شلوار پہننے کی بھی ہوش نہیں تھی۔

میں ڈاک بنگلے چلا گیا۔ انسپکٹر ایونز شکار پر جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ رات کو وہ لڑکی اُس کے پاس آئی تھی؟ میرا موڈ دیکھ کر اُس نے مجھے حکم کے لہجے میں کہا کہ میں اُس سے کچھ نہ پوچھوں۔ میں نے اُس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ فرش پر جوجی کی شلوار پڑی تھی۔
"وہ شاید اس کے بغیر چلی گئی ہے" — اُس نے شلوار پاؤں سے میری طرف کرتے ہوئے کہا — "یہ لے جاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔"
میں شلوار اُٹھا کر وہاں سے نکل آیا۔ تھانے آکر سوامی، ہیڈ کانسٹیبل، تین کانسٹیبلوں اور جوجی کو ساتھ لیا اور پہلی لاری سے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کو روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر پہلے میں ڈی۔ ایس۔ پی کے پاس گیا۔ وہ انگریز تھا۔ اُسے بتایا کہ انسپکٹر ایونز نے یہ حرکت کی ہے۔ اُس نے سوامی اور جوجی سے تصدیق کرائی۔ خطرہ تھا کہ انگریز ڈی۔ ایس۔ پی ایک انگریز انسپکٹر کے خلاف کچھ نہیں کرے گا لیکن وہ اُٹھا اور ہم سب کو ایس۔ پی کے پاس لے گیا۔ ایس۔ پی نے ہم سب کے بیان لئے۔ سوامی نے میرے خلاف شکایت کی کہ میں نے اُسے مارا پیٹا ہے۔ ایس۔ پی نے مجھے ایک بار پھر اندر بلایا اور پوچھا کہ میں نے اسے مارا پیٹا ہے؟
"اگر میں سروس میں نہ ہوتا تو اسے جان سے مار ڈالتا" — میں نے کہا — "میں ڈیوٹی، ڈسپلن اور قانون کو اپنا ذاتی معاملہ سمجھا کرتا ہوں۔"
ایس۔ پی نے اُسی وقت حکم دے دیا کہ سب کو لائن حاضر کرو اور انسپکٹر ایونز جو پانچ دنوں کی چھٹی پر تھا، اُسے فوراً واپس بلانے کا حکم دیا۔
مجھے اُس نے کہا کہ میں واپس جا کر تفتیش مکمل کروں۔
اس کے بعد انکوائری ہوئی اور محکمانہ کارروائی یہ ہوئی کہ انسپکٹر ایونز کو انسپکٹر سے سب انسپکٹر بنا دیا گیا۔ اے۔ ایس۔ آئی سوامی کو سروس سے نکال دیا گیا۔ ہیڈ کانسٹیبل کو کانسٹیبل بنا دیا گیا اور کانسٹیبلوں کو صرف تنبیہہ کی گئی۔ اس کارروائی میں دس بارہ دن لگ گئے تھے۔
میں اُسی روز شام کو واپس آگیا تھا۔ تھانے میں پہنچا ہی تھا کہ شکوری کا منگیتر آگیا۔ وہ فوج میں نائیک تھا۔ اُس وقت کے فوجی خوبصورت جوان ہوا کرتے تھے۔ جسم گٹھے ہوئے اور چہروں پر صحت اور تندرستی کی چمک ہوتی تھی۔ یہ شخص بھی دراز قد اور پرکشش چہرے والا تھا۔ اُس کا نام زبیر تھا۔
"لڑکی کا کچھ پتہ چلا؟" — اُس نے رعب سے مجھ سے پوچھا اور اپنا تعارف کرایا — "میں اُس کا منگیتر ہوں.... نائیک زبیر احمد۔"
"کچھ سراغ تو ملا ہے" — میں نے کہا — "لڑکی مل جائے گی.... سُنا تھا تمہاری منگنی ٹوٹ چکی ہے۔"

"آپ نے ٹھیک سُنا ہے" — اُس نے کہا — "میں ایسی لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کروں گا جو کسی کے ساتھ چلی گئی ہے۔"

"پھر تم اُس کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو؟" — میں نے پوچھا — "خون کا رشتہ ہے؟"

"نہیں" — اُس نے کہا — "لیکن میں اُسے ڈھونڈوں گا۔ وہ میری منگیتر تھی۔ اگر وہ مجھے لات مار کر کسی اور کے ساتھ چلی گئی ہے تو میں اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں گا۔ اُسے قتل کروں گا۔ اگر اُسے زبردستی اغوا کیا گیا ہے تو میں اغوا کرنے والوں کو قتل کر دوں گا۔"

"جانے دو میرے دوست!" — میں نے کہا — "کیوں پھانسی چڑھنے کا بندوبست کر رہے ہو؟"

"مجھے میرے دوستوں نے رجمنٹ میں اور گاؤں میں بھی طعنے دیئے ہیں کہ تمہاری منگیتر تمہیں چھوڑ کر اپنی پسند کے کسی جوان کے ساتھ چلی گئی ہے۔ میں فوجی ہوں اور خاندانی آدمی ہوں۔ میں بے غیرت نہیں۔"

آج کل کی تہذیب کے لوگ اس شخص کے جذبات اور ارادوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ دیہات کے لوگ سمجھتے ہیں۔ اُس زمانے میں تو غیرت پہ لوگ مر مٹتے تھے۔ قتل کرتے اور قتل ہوتے تھے۔ یہ شخص دیہاتی بھی تھا فوجی بھی۔ انگریزوں کے دَور میں فوجیوں کو فوجی بیوقوف کہا جاتا تھا۔ زبیر انہی فوجیوں میں سے تھا۔ اُس کا ارادہ پکا تھا۔ میں نے سوچا کہ لڑکی اس کے سامنے آگئی تو یہ شخص اُسے واقعی قتل کر دے گا۔ یہ سوچ کر میں نے اسے بتایا کہ شکوری کو کس طرح گھر سے نکالا گیا ہے اور شکوری نیک اور پاک لڑکی ہے۔

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں" — اُس نے کہا — "اگر وہ واقعی نیک اور پاک ہے تو میرے گھر والے مانیں یا نہ مانیں، میں اُس کے ساتھ شادی کر لوں گا لیکن اُسے اغوا کرنے والوں کو نہیں چھوڑوں گا.... میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ وہ نیک لڑکی ہے؟"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں" — میں نے کہا — "لیکن بتانے میں کوئی غلط حرکت نہ کرنا۔ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"میں آپ کو کوئی دھمکی نہیں دے رہا" — اُس نے کہا — "میں کوئی حرکت کروں گا تو بھاگوں گا نہیں۔ آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔ آپ کے پاس آجاؤں گا اور کہوں گا کہ مجھے گرفتار کر لو۔"

مجھے بالکل ضرورت نہیں تھی کہ میں اس شخص کے آگے اُس کی منگیتر کی صفائی پیش کرتا یا اُسے اپنی تفتیش کی تفصیل سناتا۔ میں دراصل لڑکی کو تباہی سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ رَحمے رہزن کے پاس لڑکی پاک رہی ہوگی۔ میں نے شفاعت کو بلایا اور اُسے سادھو ہی ظاہر کیا۔ وہ سادھوؤں کے بہروپ میں تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ اس شخص کو بتائے کہ لڑکی کہاں ہے۔

"رَحمے رہزن کے پاس" — شفاعت نے صرف اتنا کہا۔

میں نے شفاعت کو بتایا کہ زبیر شکوری کا منگیتر تھا لیکن اس کے ماں باپ نے شکوری کو بدچلن سمجھ کر منگنی توڑ دی ہے اور اب زبیر اُسے قتل کرنا چاہتا ہے۔

شفاعت نے میرے کہنے پر اُسے صاف صاف بتا دیا کہ شکوری کو گھر سے کس طرح نکالا گیا اور رَحمے کے پاس وہ کس طرح پہنچی ہے۔

زبیر کا چہرہ لال سرخ ہو گیا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس ڈاکو سے لڑکی کو چھڑانے کے لئے کیا کر رہا ہوں۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں چھاپہ مارنے کی سوچ رہا ہوں لیکن وہ لوگ لڑکی کو قتل کر دیں گے۔

اُس نے شفاعت سے رَحمے کے ٹھکانہ معلوم کر لیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھ کافر کے بچے!" — اُس نے شفاعت سے کہا — "زندہ رہنا ہے تو اتنی دُور نکل جاؤ جہاں میں نہ پہنچ سکوں۔"

"اسے میں سزا دلاؤں گا بھائی!" — میں نے کہا۔

"پھر اسے ساری عمر جیل میں ہی رکھنا" — نائک زبیر نے کہا —

"باہر آئے گا اور مارا جائے گا۔ علی رضا کی زندگی بھی پوری ہو گئی ہے۔"

وہ فوجیوں کی طرح چلتا کمرے سے نکل گیا۔ تب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہُوا۔ میرے دماغ میں لڑکی کی عزّت اور زندگی سماتی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ میرا دماغ تھک گیا تھا۔ مجھ سے اب حماقتیں ہو رہی تھیں۔

فوجی جوان کی رگ پھڑکی

میں اس اطلاع کی توقع لئے ہوئے تھا کہ یہ شخص نائیک زبیر احمد لاپتہ ہو گیا ہے۔ مجھے ایسے نظر آ رہا تھا کہ یہ فوجی فوجیوں والی روایتی بیوقوفی کرے گا اور رَحمے کے پاس جا پہنچے گا اور اُس پر بھی رعب جھاڑے گا، پھر رَحما اسے گم کر دے گا۔

وہ دن گزرا، رات گزری اور اگلا دن طلوع ہُوا۔ میں نے ڈی۔ ایس پی کے لئے رپورٹ تیار کر لی تھی۔ دوپہر کا وقت ہو گا کہ نائیک زبیر آیا۔

"میں لڑکی کو لے آیا ہوں" — اُس نے کہا۔

"کہاں سے؟"

"رَحمے رہزن سے" — اُس نے کہا — "میں بہت حیران ہوں کہ ڈاکو اور رہزن ہو کر وہ دوسروں کی عزت اور غیرت کو سمجھتا ہے۔"

وہ معلوم نہیں کتنا حیران تھا، میں بہت زیادہ حیران ہُوا کہ رَحمے نے اُسے اتنی خوبصورت لڑکی دے دی ہے۔ اُس نے مجھے سنایا کہ وہ رَحمے کے گھر پہنچ گیا اور رَحما اُسے مل گیا۔ زبیر اپنے ساتھ ایک خنجر لے گیا تھا۔ اُس نے رَحمے کو بتایا کہ وہ کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ رَحمے نے اُسے کہا کہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن وہ یہاں سے جاتی نہیں۔ زبیر نے بڑے رعب سے کہا کہ وہ رَحمے کو بھی اور لڑکی کو بھی قتل کر دے گا۔ رَحمے نے اُسے بتایا کہ لڑکی نیک اور بالکل صاف ہے اور اُسے رَحمے نے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا ہُوا ہے۔

"تم جھوٹ بولتے ہو" — زبیر نے کہا۔

"میری بات کان کھول کر سُن لے فوجی جوان!" — رَحمے نے اُسے کہا — "تمہیں ابھی معلوم نہیں کہ تم کہاں بیٹھے ہو۔ یہاں انگریزوں کی نہیں میری بادشاہی ہے۔ تمہاری بوٹی بوٹی غائب کر دی جائے گی اور کسی کو پتہ نہیں چلے گا.... تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تم سے ڈر کر اپنی اور لڑکی کی صفائی پیش کر رہا ہوں۔ جا، اپنی پوری پلٹن لے آ، تجھے لڑکی نہیں ملے گی اور میں غائب ہو جاؤں گا۔ پولیس کو لے آ اور لڑکی کو لے جا .... کر بہت بیوقوف انسان! میں مرد ہوں اور مرد کی عزت اور غیرت کو سمجھتا ہوں۔ تیری منگیتر موتیوں کی طرح صاف ہے۔"

زبیر ٹھنڈا پڑ گیا۔ تب رَحمے نے اُسے بتایا کہ لڑکی کس طرح اُس کے پاس پہنچی ہے۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکی معصوم اور عبادت گزار ہے تو اُس نے لڑکی سے کہا کہ چل تجھے تیرے گھر چھوڑ آؤں لیکن دو تین دن دیر ہو گئی۔ رَحمے نے ایک روز لڑکی سے کہا کہ آج وہ اُسے اُس کے باپ کے حوالے کرنے جائے گا مگر لڑکی نے انکار کر دیا۔ کہنے لگی کہ وہ گاؤں میں کس مُنہ سے جائے گی۔ کون مانے گا کہ اُسے کسی اور ہی اشر سے گھر سے نکالا گیا ہے۔ سب اُسے بدچلن کہیں گے۔ اُس کی منگنی ٹوٹ چکی ہو گی۔ بدنامی کے صدمے سے اُس کا باپ مر جائے گا۔ وہ نہیں جائے گی۔ لوگ اُس پر اُنگلیاں اُٹھائیں گے۔ کوئی خاندان اُس کا رشتہ قبول نہیں کرے گا۔

رَحمے نے لڑکی کو اپنی بیوی کے حوالے کر دیا۔ اُس نے زبیر سے کہا کہ اُس کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں۔ وہ لڑکیوں کو بیچنے کا کاروبار بھی نہیں کرتا۔ وہ شکوری کو اپنے پاس رکھنے پر آمادہ نہیں تھا لیکن لڑکی وہاں سے نکلتی نہیں تھی۔ کہتی تھی کہ مجھے مار ڈالو یا یہیں پڑی رہنے دو۔

رَحمے نے کسی کو آواز دی۔ ایک آدمی دوڑا آیا۔ رَحمے نے اُسے کہا کہ اُس لڑکی کو میرے پاس بھیج دو۔ دو چار منٹ بعد شکوری کمرے میں داخل ہوئی۔ زبیر کو دیکھ کر جھینپ گئی۔ رَحمے نے اُسے کہا کہ زبیر اُسے لینے

آیا ہے۔

"مجھے لے جا کر کیا کرو گے؟" شکوری نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "کون مانے گا کہ میں بے گناہ اور معصوم ہوں؟"

"شکوری بیٹی!" رُحمے نے کہا — "اسے بتاؤ کہ تمہیں یہاں کس طرح رکھا گیا ہے اور تم یہاں سے کیوں نہیں جاتی تھیں۔"

شکوری نے تفصیل سے بتایا۔

"میری سُن فوجی بھائی!" رُحمے نے زبیر سے کہا — "میں ڈاکو ہوں اس لئے میری ہر بات کو تم مٹی میں ملا دو گے لیکن میں انسان بھی ہوں۔ میں نے دُنیا کے وہ رنگ دیکھے ہیں جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے نہ کبھی دیکھو گے۔ تم نے پہلے کبھی سُنا تھا کہ ایک لڑکی پر ایک آدمی نے ایک میل دُور بیٹھ کر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اپنے پاؤں پر چل کر اس کے پاس پہنچ گئی؟ ... لیکن خدا کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ یہ لڑکی کہتی ہے کہ یہ اللہ، رسولؐ اور قرآن پاک کے سوا کسی کو نہیں مانتی تھی۔ یہ یہاں بھی نماز پڑھتی رہی ہے۔ اس پر کالے جادو کا اثر تو ہُوا لیکن اللہ کے کلام کا اثر کوئی نہیں مٹا سکتا۔ اللہ نے سبب بنایا۔ یہ سادھو کے پاس آئی۔ اللہ نے ایک اور آدمی بھیج دیا۔ وہ اسے لے گیا پھر اللہ نے چار آدمی بھیجے اور لڑکی یہاں آگئی۔ اگر یہ اپنی مرضی سے آئی ہوتی تو آج یہ میری داشتہ ہوتی لیکن یہ ہوش میں آگئی اور مجھے پتہ چل گیا کہ یہ کس طرح آئی ہے۔ میں نے اُس آدمی کو بھگا دیا اور یہ امانت رکھ لی۔ میں سمجھ گیا کہ اس لڑکی کا علم کامل ہے۔ اس پر جادو چل سکتا ہے، اسے جادو نقصان نہیں دے سکتا۔"

زبیر نے مجھے بتایا کہ رُحمے کو وہ صرف ڈاکو سمجھتا تھا لیکن اس کی باتیں سُن کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ شکوری کے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں تمہیں یہ بھی بتا دوں" رُحمے نے زبیر سے کہا — "جس سادھو نے اس پر اپنا جادو چلایا ہے وہ اپنے ہی جادو کا شکار ہو گا۔ وہ اس عمل کو صحیح طریقے سے نہیں کر سکا۔ وہ آگے کا سبق جانتا ہی نہیں۔ وہ بہت بُری

موت مرے گا۔ میں نے ایسے واقعات پہلے بھی دیکھے ہیں۔ مجھے معلوم ہے وہ اِس وقت کہاں ہے۔ اُس پر اپنے ہی جادو کا اُلٹا اثر شروع ہو چکا ہے۔ اس اثر نے اُسے تھانیدار کے قدموں میں بٹھا دیا ہے۔"

"تم لڑکی کو گھر کیوں نہیں چھوڑ گئے؟" زبیر نے پوچھا — "زبردستی لے آئے تھے؟"

"انگریزوں کے راشن اور وردی نے تمہاری عقل مار دی ہے" — رُحمے نے کہا — "میں لڑکی کو بدنامی سے بچانے کی سوچتا رہا۔ اگر میں اسے زبردستی اُٹھا کر رات کو تمہارے گاؤں چھوڑ آتا تو سارا گاؤں کہتا کہ خود گئی تھی خود آگئی ہے۔ میں اسے نمبردار کے حوالے کر آتا اور سو سو قسمیں کھاتا کہ اسے میں نے بہن اور بیٹی بنا کر رکھا تھا تو سب کہتے کہ ڈاکو کے ساتھ اتنے دن گزار آئی ہے۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ تمہارے تھانیدار کو پیغام بھیجوں کہ لڑکی کو لے جائے لیکن پتہ چلا کہ تھانیدار نیا آیا ہے۔ اُسے میں نہیں جانتا۔ اللہ نے لڑکی پر کرم کیا ہے کہ تم آگئے ہو۔ اگر تم واقعی غیرت والے مرد ہو تو اسے لے جاؤ اور اس کے ساتھ شادی کرو۔ گاؤں والوں کے منہ بند کر دو۔"

"میں اسے لے جاؤں گا" زبیر نے کہا — "اور ساری دنیا سے کہلاؤں گا کہ زبیر خاندانی مرد ہے۔"

فوجی جوان کی دوسری رگ پھڑک اُٹھی۔ اُس نے للکار کر کہا کہ منگنی ٹوٹ چکی ہے لیکن یہ میری منگیتر ہے۔ میں اس کے ساتھ شادی کروں گا خواہ زمانہ میرے خلاف ہو جائے۔

"... لیکن دو خون میرے ہاتھ پر لکھ دیئے گئے ہیں" اُس نے کہا — "ایک سادھو کا اور دوسرا علی رضا کا خون۔"

رحما ہنس پڑا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ زبیر اور شکوری سے کہنے لگا کہ میرے ساتھ آؤ۔ وہ انہیں ایک کمرے سے گزار کر ایک اور کمرے کے دروازے پر رُکا۔ وہ دیہاتی طرز کا کچا مکان تھا اور یہ رُحمے کا عارضی ٹھکانہ تھا۔ اُس نے

دروازہ کھولا۔ یہ کوٹھڑی تھی جو نیم تاریک تھی۔ دروازہ پورا کھلا تو اندھیرا کم ہو گیا۔ کوئی آدمی کراہ رہا تھا۔ رُحما آگے بڑھا اور اس آدمی کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا اور دروازے تک لے آیا۔

"پہچانو اسے" ـــ اُس نے زبیر اور شکوری سے کہا۔

وہ علی رضا تھا۔ اُس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے تھے۔ چہرہ لاش کی طرح ہو گیا تھا۔ زبیر اور شکوری نے اُسے مشکل سے پہچانا۔

"اسے کیا قتل کرو گے" ـــ رُحمے نے زبیر سے کہا ـــ "یہ پاگل ہو چکا ہے۔ میں اسے اس کے گاؤں میں پھینک دوں گا۔ اس کی باقی عمر اسی حالت میں گزرے گی۔ اس نے اس لڑکی پر جادو چلوایا تھا۔ اس نے ایک بار میری مخبری کی تھی.... اسے قتل نہ کرنا۔ اسے دنیا میں سزا بھگتنے دو۔ یہ میرے پاس آیا تھا۔ کہتا تھا کہ یہ لڑکی میرے حوالے کر دو.... بد قسمت انسان!"

علی رضا آنکھیں پھاڑے ان تینوں کی طرف دیکھتا رہا جیسے ان کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ رُحمے نے اُس کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا تھا کہ اُس کا دماغ بیکار ہو گیا تھا۔

یہ اس تھانے میں میرے آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ علی رضا پولیس کا مُخبر بنا ہوا تھا۔ اُس نے کسی وقت مُخبری کی تھی کہ آج رات رُحما فلاں گاؤں میں ہے۔ رُحما پولیس کو مطلوب تھا۔ پولیس چھاپہ مارنے آئی مگر رُحمے کو پہلے اطلاع مل گئی تھی۔ وہ نکل گیا۔ اُسے کسی نے بتایا کہ مُخبری علی رضا نے کی تھی۔ اب علی رضا رُحمے کے پھندے میں آ گیا تھا۔ اُس نے اس سے مُخبری کا بڑا بھیانک انتقام لیا تھا۔

لاش گلے پڑ گئی

زبیر شکوری کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اُس نے شکوری سے کہا کہ وہ اب لوگوں کی باتیں نہ سُنے، اللہ میں دھیان رکھے۔ زبیر نے اپنے ماں باپ سے

اور شکوری کے ماں باپ سے کہہ دیا کہ وہ شکوری کے ساتھ شادی کرے گا۔

زبیر کا یہ بیان سُن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میرا کیس ختم ہو گیا ہے۔ زبیر نے مجھے کہا کہ میں اس سادھو کو اور واحدی کو سزا دلاؤں۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اب کسی کو بھی سزا نہیں دلا سکتا کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ لڑکی کو کسی پُراسرار اثر سے گھر سے نکالا گیا تھا۔ سادھو کا اپنا بیان کوئی وزن نہیں رکھتا۔ واحدی کے خلاف کوئی ثبوت اور شہادت نہیں، اور کیس تو یہیں پر ختم ہو گیا ہے کہ لڑکی اپنے گھر میں ہے، کسی اور کے قبضے سے برآمد نہیں ہوئی۔

"کیا ثبوت ہے کہ وہ کسی اور کے قبضے میں رہی ہے؟" ـــ میں نے کہا ـــ "رُحما کورٹ میں بیان دینے نہیں آئے گا۔ آئے گا تو دوسرے کیسوں میں گرفتار ہو جائے گا.... سوچو زبیر بھائی! میں کیس کورٹ میں لے بھی جاؤں تو ہر پیشی پر لڑکی کو کورٹ میں جانا پڑے گا۔ وہاں صفائی کے وکیل یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ لڑکی اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ چلی گئی تھی، اور اب بدنامی سے بچنے کے لئے ملزموں پر جھوٹے الزام لگا رہی ہے۔"

زبیر سمجھ گیا۔ میرے لئے ایک کارروائی ضروری تھی۔ وہ میں نے رات کو کی۔ شکوری کا بیان ضروری تھا۔ میں رات کو اُن کے گھر گیا۔ نمبردار کو ساتھ لیا اور شکوری کا بیان لیا۔ اُس نے وہی بیان دیا جو میں پہلے سُن چکا تھا لیکن میں نے ایسا بیان لکھا جس سے میری پوزیشن بھی ٹھیک رہی اور لڑکی کی عزت پر بھی حرف نہ آیا۔ لڑکی کے دستخط کرلئے اور نمبردار کا انگوٹھا لگوایا۔

میں نے دوسرے دن یہ فیصلہ کیا کہ خود ہی ڈی۔ ایس۔ پی کے پاس چلا جاؤں اور اُسے اس کیس کا انجام بتا کر احکام لے لوں۔ اتنے میں نمبردار آ گیا۔ کہنے لگا کہ علی رضا بڑی بُری حالت میں واپس آ گیا ہے اور اُسے چارپائی پر ڈال کر لا رہے ہیں۔ نمبردار نے بتایا کہ رات کو وہ اپنے دروازے کے آگے بے ہوش پڑا تھا۔ اٹھا کر اندر ڈالا۔ اب ہوش میں ہے۔

چارپائی آئی تو اُس پر جیسے لاش پڑی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ کیس تو مجھے لینا ہی پڑے گا اور رُحمے کے ساتھ میری ٹکر ہوگی۔ میں نے علی رضا سے پوچھا کہ وہ بیان دے سکتا ہے؟ اُس نے اشارہ کیا کہ میں کان قریب کروں۔

میں اُس پر جُھک گیا۔

"میں نے انہیں کہا تھا کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو"۔۔۔ علی رضا نے سرگوشی کی ۔۔۔ "یہ مجھے یہاں لے آئے ہیں۔ میری کوئی غرض رپورٹ نہیں۔ آپ پرچہ نہ لکھیں اور انہیں کہیں مجھے ہسپتال لے جائیں"۔

میں نے اُس کے باپ سے پوچھا تو اُس نے بھی کہہ دیا کہ وہ پرچہ نہیں کرائے گا۔ میں نے انہیں کہا کہ چارپائی اٹھاؤ اور تھانے کے احاطے سے نکل جاؤ۔ اُسے نمبردار کے کہنے پر تھانے میں لاتے تھے۔ اللہ نے کرم کیا کہ اس کیس سے بھی میں بچ گیا۔ میں اُسی روز بیس میل دُور ڈی۔ ایس۔ پی کے پاس چلا گیا اور اُسے سارا کیس سنایا۔ وہ بڑی سخت طبیعت کا افسر تھا لیکن ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ کیس بند کر دو۔

"۔۔۔ اور اُس لاش کا کیا بنا؟"۔۔۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے اُس لاش کے متعلق جو کھائی ہوئی برآمد ہوئی تھی اور جسے شکوری کی لاش کہہ دیا گیا تھا، حکم دیا ۔۔۔ "وہ تمہارے علاقے سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کی تفتیش کرو۔ وہ عورت ضرور قتل ہوئی ہے"۔

میں اس لاش کی مصیبت گلے ڈال کر واپس آگیا۔ میں نے واحدی اور نصیر کو حوالات میں بند کر رکھا تھا جوجی اور شفاعت علی کو ویسے روک رکھا تھا۔ آتے ہی انہیں چھٹی دی۔ منگنی کی انگوٹھی شکوری کو دینے کے لئے رکھ لی۔ سادھو کو میں نے روک لیا۔ اِسے میں اپنا مخبر بنانا چاہتا تھا۔ وہ تو میرا دوست بن چکا تھا۔ بڑا ذہین آدمی تھا۔

میں نے اُسے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ایک پیچیدہ کیس خود ہی میرے سر سے اُتر گیا ہے لیکن وہ لاش میرے گلے پڑ گئی ہے۔ اگر وہ عورت قتل ہوئی ہے تو کسی اور تھانے کے علاقے میں قتل ہوئی ہوگی لیکن برآمد میرے

علاقے سے ہوئی ہے اس لئے تفتیش مجھے کرنی پڑے گی۔

شفاعت نے عادت کے مطابق میری ران پر ہاتھ مارا اور بولا۔۔۔ "مجھ سے پوچھ"۔۔۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا ۔۔۔ "میں بتاؤں گا وہ لاش کس کی تھی۔ قتل کی وجہ بتا دوں گا۔ قاتل کی نشاندہی مشکل ہے لیکن آپ اُسے پکڑ لیں گے"۔

اُس نے ایک اور عجیب و غریب کہانی سُنا ڈالی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہوئی کہ اُس لاش کا معمہ حل ہو جائے گا جو میرے گلے پڑ گئی تھی۔

وہ ضد کی بڑی سخت تھی

شفاعت علی عرف شُفقا میرے ساتھ اتنا بے تکلف ہو چکا تھا جیسے اُسے یاد ہی نہ رہا ہو کہ وہ نوسرباز اور عادی مجرم ہے اور میں تھانیدار ہوں۔ میں نے اُس کی بے تکلفی کو قبول کر لیا۔ مجھے اُس کی دوستی کی ضرورت تھی۔ اِس سے مجھے یہ فائدہ ہوا تھا کہ اُس نے مجھے ایسی کہانی سُنا ڈالی جس سے مجھے اُس لاش کی تفتیش کے لئے جو کھائی ہوئی برآمد ہوئی تھی، بڑے قیمتی سراغ مل گئے۔ اُس نے جو داستان سُنائی وہ میں اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔

یہ تو آپ کو سُنا چکا ہوں کہ اُس نے سادھوؤں کا بڑا کامیاب رُوپ دھار رکھا تھا اور اُس کی اداکاری کامیاب تھی۔ اپنے اُستاد سے اُس نے کالے علم کے دو چار گُر بھی سیکھے تھے۔ باقی کام اُس کی زبان کرتی تھی۔ اس سے اُس نے خاصی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اُس نے مجھے سُنایا کہ تقریباً تین مہینے گزرے، اُس کے پاس دو مسلمان عورتیں آئیں۔ ایک کی عمر چالیس سال سے کچھ اُوپر تھی اور دوسری تیس سال سے کم ہوگی۔ اُس کی جوانی عروج پر تھی۔ دلکش رنگ کی خوبصورت عورت تھی۔ دوسری جو بڑھاپے میں داخل

ہو چکی تھی، خوبصورتی میں کم نہیں تھی۔ اس عمر میں بھی دل کو اچھی لگتی تھی۔
دونوں سگی بہنیں تھیں۔ اُن کے کپڑے اور چال ڈھال بتا رہی تھی کہ اونچے زمیندار خاندان کی ہیں۔ وہ ٹٹوؤں پہ آئی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا نوکر تھا۔ شفاعت نے انہیں عزت سے بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہیں۔

"آپ کی شہرت سُن کر آئی ہیں" ۔۔۔ بڑی بہن نے کہا ۔۔۔ "ہمارے اپنے پیر ہیں۔ ہم اُن کے ہاں سلام کے لئے یا مزاروں اور خانقاہوں پہ جایا کرتی ہیں۔ کسی سادھو یا سنیاسی کے پاس کبھی نہیں گئیں۔ کام ایسا آپڑا ہے کہ آپ کے دروازے پہ آئی ہیں"

"ہم آپ کے پیروں کی برابری نہیں کر سکتے" ۔۔۔ شفاعت نے سادھوؤں سنیاسیوں کی طرح کہا ۔۔۔ "جو سیوا کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں گے۔ دل میں جو مراد ہے بتا دو۔ بات اگر راز کی ہے تو راز رہے گی۔ تمہارا پردہ ہمارا اپنا پردہ ہے۔ کہو ۔۔۔ بولو۔ ایسا کیا کام آپڑا ہے؟"

"آپ جو کہیں گے ہم حاضر کریں گی" ۔۔۔ بڑی بہن نے کہا ۔۔۔ "کام ہو گیا تو اور بھی خدمت کریں گی ۔۔۔ بات یہ ہے کہ میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے تینوں جوان ہیں۔ بڑے بیٹے کی شادی ہو چکی ہے۔ اب بیٹی کی بات پکی کی ہے۔ منگنی بھی کر دی ہے۔ لڑکے والے انگوٹھی پہنا گئے ہیں کپڑے بھی دے گئے ہیں لیکن لڑکی ہماری عزت خاک میں ملانے پر تُلی ہوئی ہے۔ کہتی ہے میں اس لڑکے کو قبول نہیں کروں گی"

لڑکیوں کی پسند اور ناپسند کو آج بھی کم ہی دیکھا جاتا ہے۔ شہروں میں لڑکیوں کو کچھ آزادی مل گئی ہے۔ ہماری جوانی کے دور میں لڑکی کو بھیڑ بکری سمجھا جاتا تھا۔ ماں باپ جس کے ساتھ چاہتے، نکاح پڑھا کر چلتا کرتے۔ دیہات میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لڑکی اپنی پسند کی شادی کرے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ خود سر اور دلیر لڑکی اپنی پسند کے آدمی کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی تھی، نتائج خواہ کچھ ہی ہوں۔

شفاعت جس خاندان کی لڑکی کی بات سُن رہا تھا وہ اُن بڑے

زمینداروں کا خاندان تھا جو اپنے گاؤں پہ حکومت کیا کرتے تھے۔ اُن کی حویلیوں اور چوباروں میں جو بدی ہوتی تھی اس پر پردے پڑے رہتے تھے۔ آج بھی ایسے ہی ہوتا ہے۔

"کیا لڑکی ایسی جرأت کرے گی کہ نکاح کے وقت کہہ دے کہ وہ اس دُلہا کو قبول نہیں کرتی؟" ۔۔۔ شفاعت نے پوچھا۔

"لڑکی سرکش ہے" ۔۔۔ اُس کی ماں نے جواب دیا ۔۔۔ "ہو سکتا ہے وہ ایسا ہی کرے۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو اُس کے بھائی وہیں اُسے قتل کر دیں گے۔ میرے دونوں بیٹے بہت دلیر اور غیرت مند ہیں ۔۔۔ میرے بیٹوں کو ابھی پتہ نہیں چلا۔ ابھی یہ بات مجھ تک ہے یا میری اس بہن کو معلوم ہے۔ لڑکی کہتی ہے کہ وہ ڈولی میں بیٹھ کر چلی جائے گی لیکن اس آدمی کو خاوند نہیں مانے گی۔ اُس کے گھر آباد نہیں ہو گی"

"وہ ضد کی بڑی سخت ہے" ۔۔۔ لڑکی کی خالہ نے کہا ۔۔۔ "وہ جو کہہ رہی ہے کر کے بھی دکھا دے گی"

"گاؤں میں ہی نہیں سارے علاقے میں ہمارے خاندان کی عزت ہے" ۔۔۔ لڑکی کی ماں نے کہا ۔۔۔ "ہمارے خاندان کا رُعب داب ہے۔ اگر لڑکی نے شادی کے بعد ایسے ہی کیا جیسے وہ کہتی ہے تو سارا علاقہ ہم پر انگلیاں اُٹھائے گا"

"جسے وہ چاہتی ہے اُس کے ساتھ لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی؟" ۔۔۔ شفاعت نے پوچھا۔

"یہ تو وہ بتاتی ہی نہیں کہ کسے چاہتی ہے" ۔۔۔ ماں نے جواب دیا ۔۔۔ "لیکن منگنی ہو چکی ہے۔ ہم منگنی توڑ کر ساری برادری میں ذلیل نہیں ہو سکتے۔ آپ جانتے ہیں کہ منگنی توڑنے سے ہمیشہ کی دُشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر خون خرابے شروع ہو جاتے ہیں"

"مجھے بتاؤ کرنا کیا ہے"

"سب تعویذ بیکار ہو گئے ہیں" ۔۔۔ ماں نے کہا ۔۔۔ "سُنا ہے آپ

کے پاس دوسرا علم ہے۔ کوئی ایسا بندوبست کریں کہ لڑکی کا دماغ ہمارے قبضے میں آجاتے اور وہ اپنے منگیتر کو قبول کر لے۔ اپنی بے عزتی کے علاوہ دوسرا خطرہ یہ نظر آرہا ہے کہ بیٹی نے ایسی ویسی حرکت کی تو میرے بیٹے اپنی بہن کو بخشیں گے نہیں، وہ اُسے ذبح کر کے پھینک دیں گے اور پھانسی چڑھ جائیں گے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ شفاعت نے کہا ۔۔۔ "آج شام تک یا کل صبح لڑکی کے جسم سے اُتری ہوئی قمیض مجھے دے دینا۔ خود نہ آنا ہو تو نہ آنا، نوکر کے ہاتھ بھیج دینا۔ خیال یہ رکھنا کہ قمیض اُس کے جسم سے اُترے لیکن دُھلے نہیں۔"

وہ شفاعت کو نذرانہ دے کر چلی گئیں۔

ممتاز، محبت اور موت

اگلی صبح ان کا نوکر لڑکی کی قمیض لے آیا۔ شفاعت نے نوکر سے کہا کہ لڑکی کی ماں کو کل بھیج دینا۔ اُن کا گاؤں اُس جگہ پر تھا جہاں میرے علاقے کی حد ختم ہوتی تھی۔ سادھو میرے تھانے کے علاقے میں تھا۔ وہاں سے لڑکی کا گاؤں چھ ساڑھے چھ میل دُور تھا۔

دوسرے دن لڑکی کی ماں اور خالہ آگئیں۔ لڑکی کا نام ممتاز بیگم تھا۔ شفاعت کالے علم کے جو گُر جانتا تھا وہ رات کو اُس نے قمیض سامنے رکھ کر آزماتے اور اپنے علم کے مطابق حساب کتاب جوڑا۔ اُس نے بکرے کے شانے کی ہڈی پر خانے سے بناتے اور اُن پر کچھ ہندسے اور حروف لکھے

"یہ ہڈی اپنے مکان کی دہلیز کے ساتھ باہر کی طرف زمین میں دبا دینا"۔ شفاعت نے اُنہیں کہا ۔۔۔ "لڑکی تین چار مرتبہ اس کے اُوپر سے گزرے گی تو اس کا دل تمہارے قبضے میں آجائے گا۔"
شفاعت نے ممتاز کی ماں کو دو تعویذ بھی دیتے جنہیں وہ نقش کہتا تھا۔

یہ دونوں تین دنوں کے وقفے سے لڑکی کو پانی میں گھول کر پلانے تھے۔
شفاعت نے اُن سے چند روپے وصول کئے اور وہ دونوں چلی گئیں۔

وہ آٹھ نو روز بعد شفاعت کے پاس گئیں۔ کہنے لگیں کہ لڑکی پر اور تو کوئی اثر نہیں ہوا، صرف یہ اثر ہوا ہے کہ اُس نے بتا دیا ہے کہ وہ کسے چاہتی ہے۔

"اس آدمی کے ساتھ ہم اپنی بیٹی کی شادی نہیں کر سکتے"۔ ممتاز کی ماں نے کہا ۔۔۔ "ایک تو ذات دوسری ہے جو ہماری ذات سے ایک درجہ کم ہے اور دوسری وجہ آپ کو معلوم ہے۔ منگنی ہو چکی ہے۔"

"لڑکی اس آدمی سے ملتی ملاتی ہوگی؟"

"ملتے کبھی دیکھا نہیں"۔ ممتاز کی ماں نے کہا ۔۔۔ "گاؤں میں کسی کی کوئی حرکت چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں نے اپنی لڑکی کے متعلق ایسی ویسی بات کبھی نہیں سُنی۔ وہ کوئی بُرا آدمی بھی نہیں۔"

شفاعت علی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ لڑکی کا چال چلن کیسا تھا اور وہ آدمی کیسا تھا جسے وہ چاہتی تھی۔ لڑکی کی ماں اور خالہ اُس کی گاہک یا اُس کی سائل تھیں۔ ان سے اُس نے روپیہ پیسہ بٹورنا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کالا جادو تھا یا نہیں، اُس کی زبان میں جادو تھا جو اُس نے مجھ پر بھی چلا لیا تھا۔ وہ ممتاز کی ماں اور خالہ کے ساتھ اس قسم کی باتیں کرتا رہا جن سے یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ اُس نے لڑکی کی قمیض پر جو عمل کیا ہے اور اُس نے جو نقش دیتے تھے، ان کا اثر ہوا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ لڑکی نے اُس آدمی کا نام بھی بتا دیا ہے جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔

"وہ جو ہڈی میں نے دہلیز کے قریب دبانے کے لئے دی تھی وہ اپنا کام کرے گی"۔ شفاعت نے کہا۔

"ہم چاہتی ہیں کہ آپ کوئی ایسا جادو چلائیں جس سے لڑکی کا دِل ہمارے قبضے میں آجائے"۔ ممتاز کی ماں نے کہا ۔۔۔ "اب لڑکی نے یہ

کہا ہے کہ جب تک یہ آدمی زندہ ہے اور وہ میرے سامنے موجود ہے، میں کسی اور خاوند کے گھر آباد نہیں ہوں گی"۔۔ ماں نے دھیمی آواز میں کہا ۔۔"اس شخص کو زمین کے تختے سے اُٹھا دینا ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ میرے بیٹوں کو پتہ چل گیا تو وہ اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے لیکن آپ میری بیٹی کا دماغ صحیح کر دیں تو یہ ناحق خون نہیں ہوگا۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ مجھے اپنے بیٹوں کا غم کھا رہا ہے۔ وہ اس شخص کو قتل کر دیں گے اور پھانسی چڑھ جائیں گے۔"

شفاعت نے انہیں ایک اور نقش لکھ دیا اور اپنی زبان کا جادو چلا کر اِن سے پیسے بٹور لئے اور انہیں کہا کہ وہ کچھ اور عمل کرے گا۔

کئی دن گزر گئے، ممتاز کی ماں اور خالہ نہ آئیں۔ ایک روز علی رضا ایک جوان آدمی کو ساتھ لے کر شفاعت کے پاس گیا۔ ابھی شکوری کے پُراسرار اغوا کا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ علی رضا کے ساتھ جو آدمی تھا، اُس کے نقش بہت اچھے تھے۔ قد کاٹھ بھی اچھا تھا لیکن کسی بیماری نے اُسے ادھ مُوا کر دیا تھا۔ علی رضا اُسے گھوڑی پر لایا تھا۔ اُس نے اُس گاؤں کا نام لیا جو ممتاز کا گاؤں تھا اور اس آدمی کا وہی نام بتایا جس کے ساتھ ممتاز شادی کرنا چاہتی تھی۔

"یہ میرا جگری یار ہے"۔۔ علی رضا نے شفاعت کو بتایا۔۔"اسے معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے۔ دس بارہ دِنوں سے اس کی یہ حالت ہے کہ سارے جسم پر خارش ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ جسم کے اندر جیسے آگ لگی ہوتی ہے۔ سنیاسیوں اور حکیموں کا علاج کرایا ہے مگر حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ رات کو خارش اسے سونے نہیں دیتی۔"

اس آدمی کے چہرے کا رنگ پھیکا نیلا ہو گیا تھا اور چہرے کی ہڈیاں باہر آ گئی تھیں۔ شفاعت اُستاد آدمی تھا۔ اُس نے ہنسی مذاق کے انداز سے یا ہلکے پھلکے انداز سے تصدیق کر لی کہ یہ وہی جوان ہے جسے ممتاز چاہتی ہے۔ شفاعت آنکھیں بند کر کے مراقبے کی کیفیت میں چلا گیا۔

"تمہارے سَر میں میم کا لفظ سانپ کی طرح بیٹھ گیا ہے"۔۔ شفاعت نے کہا ۔۔"میم سے محبت بنتی ہے۔ دو میم ممتاز کے ہیں اور ایک میم موت کا ہے۔ محبت اور ممتاز کے میم دماغ سے نکال دو گے تو موت کا میم خود ہی نکل جائے گا.... ممتاز مردوں کے نام ہوتے ہیں لیکن یہ ممتاز ایک بڑی خوبصورت عورت ہے۔"

اُس آدمی نے حیران ہو کر شفاعت کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"مہاراج!"۔۔ اُس نے شفاعت سے کہا۔۔"یہ نام تو میری رُوح میں اُتر گیا ہے..... ممتاز۔ ممتاز۔"

"جو چیز تمہیں نہیں مل سکتی اُس کی طرف دیکھنا چھوڑ دو"۔۔ شفاعت نے مخمور سے لہجے میں کہا۔۔"تمہارے دل میں ممتاز ہے تو اسے دل سے نکال دو۔ ستارے مل نہیں رہے۔ تمہارا ستارہ اور اُس کا ستارہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اکٹھے ہوں گے تو دونوں ٹوٹ جائیں گے۔ دونوں کا خون ہو جائے گا۔ تمہیں کوئی بیماری نہیں۔"

"میرے دل میں ممتاز کی محبت ضرور ہے مہاراج!"۔۔ اس آدمی نے مری مری آواز میں کہا۔۔"لیکن میں اُس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ ممتاز کہتی ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو قبول نہیں کروں گی لیکن ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتی ہے کہ آؤ بھاگ چلیں۔ میں ایسی بیوقوفی نہیں کروں گا۔"

"مت کرنا ایسی بیوقوفی"۔۔ شفاعت نے کہا۔۔"اُسے صاف لفظوں میں کہہ دو کہ تم اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ تعلق رکھو گے تو مارے جاؤ گے۔ تم مارے جا رہے ہو..... ایک بات بتاؤ۔ کسی نے تمہیں کوئی ایسی ویسی چیز تو نہیں کھلائی؟ مثلاً اُس لڑکی کے کسی بھائی نے یا اُس کے گھر کی کسی عورت نے تمہیں مٹھائی یا اس طرح کی کوئی اور چیز کھلائی ہو؟"

"نہیں"۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔"وہ لوگ میرے ساتھ اچھی

طرح بولتے بھی نہیں۔ انہیں شاید پتہ چل گیا ہے کہ ممتاز مجھے چاہتی ہے۔ نہ وہ میرے قریب آتے ہیں نہ میں اُن کے قریب جاتا ہوں۔"

"اُن کے قریب نہ ہی جاؤ تو اچھا ہے" ــــ شفاعت نے کہا۔

"جیسے آپ کہیں گے کروں گا" ــــ اس آدمی نے کہا۔

لڑکی غائب ہو گئی

"جواب دے دو" ــــ شفاعت نے کہا ــــ "صاف جواب دے دو۔"

شفاعت کو ایسی کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ یہ شخص ممتاز کے ساتھ تعلقات ختم کرتا ہے یا نہیں۔ یہ تو اتفاق کی بات تھی کہ یہ آدمی اپنی بیماری کے علاج کے لئے شفاعت کے پاس آ گیا تھا۔ شفاعت ممتاز کی ماں کے آگے اپنے منہ بنا رہا تھا جو آگے چل کر اُس نے بنا لئے۔ شفاعت اس شخص کی بیماری بھی سمجھ گیا تھا۔ وہ چونکہ جرائم کی دنیا کا آدمی تھا اور سادھوؤں، سنیاسیوں اور کالے علم کا کاروبار کرنے والوں کو بھی جانتا تھا اس لئے اُسے ایک شک ہوا

"ملک صاحب! میں آپ کو اپنے کاروبار کا ایک راز بتاتا ہوں" ــــ شفاعت نے مجھے یہ واقعہ سناتے ہوئے کہا ــــ "آپ نے شاید کبھی دیکھا ہو کہ عامل، شاہ، سادھو اور سنیاسی خصوصاً کالا علم چلانے والے کسی مریض کو یا کسی حاجت مند کو کاغذ پر خانے ڈال کر اور ان خانوں میں ہندسے اور حروف لکھ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پانی میں گھول کر پینے ہیں۔ ایسے تعویذ عموماً رنگدار روشنائی سے لکھے جاتے ہیں لیکن یہ روشنائی نہیں ہوتی یہ جڑی بوٹیوں کا محلول ہوتا ہے۔ ان میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ بخار ہو، کہیں درد ہو، یہ فوراً ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن یہ اثر عارضی ہوتا ہے۔ سائل عامل صاحب کا مرید بن جاتا ہے۔"

شفاعت نے ایک اور انکشاف کیا جو اُس وقت میرے لئے نیا تھا۔ اُس نے کہا ــــ "ایک محلول زہر کا ہوتا ہے۔ ایک دو بچھو اور ایک دو مکڑیاں جو آک

کے پودے پر بیٹھی رہتی اور آک کو ہی اپنی خوراک بناتی ہیں، مار کر انہیں رگڑ لیتے ہیں۔ اسے مزید تیز کرنا ہو تو اس میں سانپ کا زہر ملا لیتے ہیں۔ اس میں رنگدار (عموماً نارنجی رنگ کا) پانی ملا لیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانے کے لئے عاملوں یا کالا علم جاننے والوں کے پاس جاتے ہیں۔ عامل بے شمار پیسے لے کر انہیں اس زہریلے محلول سے تعویذ لکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کسی طرح اُس آدمی یا عورت کو پانی میں گھول کر پلا دیں۔ چونکہ کاغذ پر لکیریں، حروف اور ہندسے زہریلے مادے سے لکھے ہوتے ہیں اس لئے یہ مادہ پانی میں حل کر جب پانی پینے والے کے معدے میں جاتا ہے تو وہ شخص مرتا نہیں، اُس پر وہی اثر ہوتا ہے جو اس آدمی پر ہوا جس کے ساتھ ممتاز شادی کرنا چاہتی تھی۔ لوگ اسے شاہ صاحب کے تعویذ کی کرامات سمجھتے ہیں۔"

شفاعت نے جب اس آدمی کی بیماری کی علامتیں سنیں تو اُسے شک ہوا کہ ممتاز کی ماں اتنے دنوں سے نہیں آئی تو ہو سکتا ہے وہ کسی اور سادھو یا عامل کے پاس چلی گئی ہو اور اُس عامل یا سادھو یا پنڈت نے اُسے زہریلے محلول سے نقش لکھ دیا ہو اور یہ نقش اس شخص کو پلا دیا گیا ہو۔

شفاعت نے اس شک کی بنا پر اُسے زہر کے اثرات زائل کرنے والی جڑی بوٹیوں کی بنائی ہوئی گولیاں دے دیں اور ایک کاغذ پر کالی سیاہی سے ایک تعویذ لکھ کر دے دیا کہ اسے ہرمل کی دھونی دے کر بازو کے ساتھ باندھ لینا۔

دس گیارہ دن گزرے تو یہ آدمی پھر شفاعت کے پاس آیا۔ اُس کے چہرے کی نیلاہٹ ختم ہو گئی تھی۔ سینے اور پیٹ کی جلن بہت کم اور خارش بالکل ختم ہو گئی تھی۔ کمزوری بھی نہیں رہی تھی۔ اُس نے شفاعت کو ایک نیا کھیس اور انعام کے طور پر خاصی رقم دی۔ اس سے شفاعت کو یقین ہو گیا کہ اسے واقعی زہر دیا گیا تھا۔

اتفاق دیکھیں کہ اس سے تین چار روز بعد ممتاز کی ماں اور خالہ آ گئیں۔

پریشانی اُن کے چہروں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ماں نے پہلی بات یہ کی کہ ممتاز کہیں چلی گئی ہے۔

"اُسی آدمی کے ساتھ؟"

"نہیں" — ماں نے جواب دیا — "وہ آدمی یہیں ہے اور اُس پر شک بھی نہیں۔"

"بات یہ ہے مہاراج جی!" — ممتاز کی خالہ نے کہا — "ہم ایک اور آدمی کے پاس چلی گئی تھیں۔ آپ شاید اُسے جانتے ہوں گے۔ وہ کیکر والا سائیں کے نام سے مشہور ہے۔"

"ایک کیکر کے درخت کے نیچے اُس نے چھوٹا سا خیمہ لگا رکھا ہے" — شفاعت نے کہا — "تمہارے گاؤں سے تھوڑی ہی دُور ہے۔"

"وہی" — ممتاز کی ماں نے کہا — "آپ کی طرح اُس کی بھی بہت شہرت سُنی تھی۔ آپ کی طرف سے ہم مایوس ہو گئی تھیں۔ آپ کے تعویذوں کا لڑکی پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ہم کیکر والے سائیں کے پاس چلی گئیں اور اُس سے اپنا مسئلہ ویسے ہی بتایا جیسے آپ کو بتایا تھا۔ ہم نے اسے کہا کہ یہ آدمی جسے ہماری بیٹی چاہتی ہے نظروں سے اوجھل ہو جائے تو لڑکی کا دماغ اپنے منگیتر کی طرف آ جائے گا۔ سائیں نے تین سو روپے مانگے۔ ہم نے اُسے اڑھائی سو دیئے۔ اُس نے ایک تعویذ لکھ دیا اور کہا کہ یہ کسی طرح اُس آدمی کو پلا دو۔"

"تعویذ کس رنگ سے لکھا گیا تھا؟"

"پھیکا سا سبز رنگ تھا" — ماں نے کہا — "ہمارے گاؤں کی ایک عورت گھر گھر کام کرتی اور خفیہ کام بھی کر دیتی ہے۔ میں نے تعویذ پانی میں گھول کر پانی ایک شیشی میں ڈالا اور اس عورت کو انعام دے کر کہا کہ اُس آدمی کو یہ پانی دے اور کہے کہ ممتاز نے یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ اُس نے یہ پانی دم کرایا ہے۔ اسے پی لے پھر ان کی شادی ہو جائے گی ....

"اس عورت نے یہ کام کر دیا۔ تیسرے روز پتہ چلا کہ وہ آدمی بیمار ہو

گیا ہے۔ ہماری اُن کے ساتھ کوئی ناراضگی تو نہیں تھی، میں اُسے دیکھنے کے لئے اُس کے گھر گئی۔ اُس کا سینہ جل رہا تھا اور جسم پر خارش کرتا تھا۔ اس کے بعد ہم نے اُسے بہت بُری حالت میں دیکھا۔ میں خوش ہوئی کہ کیکر والے سائیں کا تعویذ کام کر گیا ہے۔ اس آدمی کے علاج معالجہ بہت کرایا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ ٹھیک ہونے لگا۔ میں اُس کے گھر گئی اور بظاہر خوشی کا اظہار کیا کہ وہ ٹھیک ہو گیا ہے لیکن دل میں بہت افسوس کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کس سیانے کی دوائی نے اثر کیا ہے۔ اُس نے جو نشانیاں بتائیں وہ آپ کی تھیں۔ اُس نے بتایا کہ سادھو نے دوائی کے علاوہ ایک تعویذ سا بھی دیا تھا۔ شاید وہ آپ ہی کے پاس آیا تھا۔"

"ہاں .... وہ میرے پاس آیا تھا" — شفاعت نے کہا — "اُس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کسی لڑکی کو چاہتا ہے۔ میں نے اس آدمی کی آنکھیں دیکھیں تو مجھے شک ہوا۔ میں نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنے علم کا زور چلایا اور آنکھیں بند کیں تو مجھے تمہاری بیٹی کا نام نظر آیا۔ میں سمجھ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ایک لڑکی ہے جس کا نام ممتاز ہے، اُس کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے .... اُس نے وہی تعلق بتا دیا جو تم نے مجھے بتایا تھا۔

"میں نے اُسے کہا کہ اس لڑکی کو دل سے نکال دو۔ اُسے کہہ دو کہ اُس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ قسم کھا کر کورے کاغذ پر انگوٹھا لگا دے پھر وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اُس نے فوراً قسم کھائی کہ وہ آج ہی لڑکی کے ساتھ تعلق توڑ لے گا۔ میں نے اُس سے انگوٹھا لگوا لیا اور اُسے ایک نقش دے کر کہا کہ اُس نے قسم پوری کر دی تو ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر نہ کی تو اُس کا حال اس سے بھی بُرا ہو گا۔"

"اُس نے ممتاز کو جواب دے دیا تھا" — ممتاز کی ماں نے کہا — "یہ مجھے اُسی عورت نے بتایا تھا جس کے ہاتھ میں نے پانی بھیجا تھا۔ اُس نے اس عورت کی زبانی ممتاز کو پیغام بھیجا تھا کہ ممتاز اُسے دِل سے اُتار دے۔ یہ سُن کر آپ پر ہمارا یقین پکا ہو گیا، لیکن لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ ہم اس

لئے آتی ہیں کہ اپنے علم کے ذریعے معلوم کریں کہ ممتاز کہاں ہے۔"

"یہ علم بڑا خطرناک ہے" ــــ شفاعت نے کہا ــــ "یہ جنوں کے ذریعے کرایا جاتا ہے۔ بعض جن شیطان ہوتے ہیں۔ گڑبڑ کر جاتے ہیں۔ میں نے اس آدمی کے دل سے ممتاز نکالی اور انہوں نے لڑکی کو غائب کر دیا۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ پھر بھی میں لڑکی کا پتہ چلا لوں گا۔"

"جن کا دِل خوش کر دو"

شفاعت نے ان عورتوں پر اپنی زبان کا جادو چلا کر انہیں اپنے ساتھ اتنا کھول لیا تھا کہ وہ اُسے ہر بات بتاتی چلی جا رہی تھیں۔ ان عورتوں کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اُن کے ہاتھوں اُس آدمی کو زہریلا نقش پلایا گیا ہے۔ شفاعت نے اُن سے پوچھا کہ وہ اُسی عامل کے پاس کیوں نہیں گئیں؟ ہو سکتا ہے وہ ممتاز کا اتا پتہ بتا دے۔

ممتاز کی ماں نے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔ بہن ذرا مسکرائی۔ یہ عورت خاصی خوبصورت تھی۔

"آپ سے کیا پردہ" ــــ ممتاز کی ماں نے کہا ــــ "ہم عزت اور غیرت والے لوگ ہیں۔ ہماری بیٹی لاپتہ ہوتی تو ہم اُس کے پاس گئیں۔ میں نے پہلے بھی دیکھا تھا کہ ہم جب بھی اُس کے پاس جائیں، وہ میری اس بہن پر ہی نظریں جمائے رکھتا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ اب گئیں تو اُس نے اسے کہا کہ تم جو بات مُنہ سے نکالو وہ پوری ہو سکتی ہے .... میرا ایک جن تم پر فدا ہو گیا ہے۔ اس کا دل خوش کر دو۔ ابھی ساتھ والے کمرے میں چلی چلو۔ چاہو تو رات کو آجانا۔ میں اُسے حاضر کر لوں گا۔ پھر جو چاہو گی پاؤ گی۔ اپنے دشمنوں کی طرف دیکھو گی تو وہ تمہارے قدموں میں بیٹھ جائیں گے ....

"ہم جانتی ہیں کہ جن بھوت موجود ہیں لیکن اس شخص کی آنکھوں میں

مجھے جانے کس طرح نظر آ گیا کہ جو جن میری بہن پر فدا ہو گیا ہے وہ جن یہ شخص خود ہے۔ میری بہن تو پہلے ہی دیکھ رہی تھی کہ یہ شخص اسے بھوکی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔ ہم دونوں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اُسے کچھ کہے بغیر واپس آ گئیں۔"

شفاعت کو اپنی شرافت جتانے کا موقع مل گیا۔ کہنے لگا کہ ہمارے پاس جو عورت آتی ہے اُسے میں اپنی ماں بہن سمجھتا ہوں۔ تم دن کو آؤ، رات کو آؤ، میری نظر میں فرق نہیں آئے گا۔

"کیا تم نے تھانے میں اپنی بیٹی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے؟" ــــ شفاعت نے پوچھا۔

"نہیں" ــــ ممتاز کی ماں نے جواب دیا ــــ "میرے بیٹے نہیں مانتے۔ کہتے ہیں جہاں چلی گئی ہے وہیں ذلیل ہوتی رہے۔ واپس آئی تو قتل کر دیں گے۔"

"تمہارا خاوند کیا کہتا ہے؟"

"اُس کی کون سُنتا ہے" ــــ ممتاز کی ماں نے کہا ــــ "وہ تو مزارعوں اور نوکروں پر حکم چلانے کے سوا کچھ نہیں کرتا۔ بیٹے اُس کی مانتے بھی نہیں۔ میں نے اپنے بیٹوں کی منت بھی کی تھی کہ تھانے رپورٹ دے دیں لیکن وہ نہیں مانتے .... میں ماں ہوں۔ میں کس طرح اپنے دل پر پتھر رکھ سکتی ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کہاں ہے؟"

"پتہ چل جائے گا" ــــ شفاعت نے کہا ــــ "کل آنا۔"

مجھے معلوم نہیں کہ شفاعت کہاں تک سچ کہتا تھا۔ اُس نے مجھے یہ واقعہ سُناتے ہوئے کہا ــــ "ایک طریقہ ہوتا ہے جو اگر ٹھیک طرح کیا جائے تو گمشدہ آدمی کا کچھ اشارہ مل جاتا ہے۔ میں نے رات کو وہ عمل کیا تو مجھے ایسا اشارہ ملا جیسے لڑکی ماری گئی ہے، یعنی قتل ہو گئی ہے یا کسی اور طرح مر گئی ہے۔ میں نے اس اشارے کو صحیح نہ سمجھا۔ میرا خیال تھا کہ میرا عمل غلط ہے ....

"اگلی صبح ممتاز کی ماں اور خالہ آگئیں۔ میں نے انہیں کہا کہ ابھی کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ آج رات پتہ چل جائے گا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ میں پتہ چلا لوں گا۔ اس صورت میں ہمارے پاس ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن سے سائل کو دھوکے میں رکھا جا سکتا ہے۔ میں نے انہیں الفاظ کے جادو میں لا کر چلتا کیا اور کہا کہ کل آئیں۔"

شفاعت نے مجھے بتایا کہ کچھ بھی پتہ نہ چلے تو گمشدہ فرد کے لواحقین کو کوئی عمل بتا دیا جاتا ہے کہ یہ کریں یا یہ پڑھیں تو انہیں اشارہ ملے گا کہ گمشدہ فرد کہاں ہے۔ ایسا اشارہ کبھی نہیں ملتا اور وہ بھٹکتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ گم ہو جانے والا واپس آجاتا ہے یا کہیں مل جاتا ہے یا اُس کی لاش مل جاتی ہے۔

ممتاز کا بڑا بھائی

اس سے اگلے دن ایک آدمی شفاعت کے پاس آیا جس کی عمر ستائیس سال کے قریب ہوگی۔ وہ شکل وصورت، چال ڈھال اور لباس سے امیر دیہاتی لگتا تھا۔ اُس نے آتے ہی "بڑے پنڈت جی" کا پوچھا۔ شفاعت نے بتایا کہ وہی بڑا پنڈت ہے۔ اس آدمی نے پانچ روپے شفاعت کے ہاتھ میں دیئے۔

"کیا مشکل ہے؟" — شفاعت نے سادھوؤں کے انداز سے اُس سے پوچھا۔

"میرا نام فیروز ہے پنڈت جی!" — اس آدمی نے کہا اور بتایا کہ وہ ممتاز کے گاؤں سے آیا ہے، پھر کہنے لگا — "میں ممتاز کا بڑا بھائی ہوں .... آپ کو اچھی طرح معلوم ہے ممتاز کون ہے۔ میری ماں اور خالہ آپ کے پاس آتی رہی ہیں .... اب نہیں آئیں گی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ممتاز کہاں ہے؟"

"معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں" — شفاعت نے کہا۔

"مت کوشش کریں" — فیروز نے کہا — "اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ میری بہن کہاں ہے تو میری ماں اور خالہ کو نہ بتائیں۔ کسی اور کو بھی نہ بتائیں۔ آپ جو خدمت بتائیں گے کروں گا .... نقد .... اور جو مانگیں گے دوں گا۔"

"کیوں؟" — شفاعت نے رازداری سے پوچھا — "تم اس بات کو چھپانا کیوں چاہتے ہو؟"

"اس میں راز والی کوئی بات نہیں" — فیروز نے کہا — "میں نہیں چاہتا کہ میری بہن واپس آئے۔ ایسی بہن جسے خاندان کی عزّت کی، اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کی عزّت کی پرواہ نہ ہو، اُسے وہیں رہنا چاہیئے جہاں وہ چلی گئی ہے۔ اگر وہ واپس آگئی تو ہم دو بھائی اُس کے جسم کا قیمہ بنا کر تھانے چلے جائیں گے۔ ہماری ماں پاگل ہو جائے گی۔ اگر میری ماں کو پتہ چل گیا کہ ممتاز کہاں ہے تو وہ دوڑ کر پہنچے گی۔ وہ ماں ہے۔ اگر ماں اُسے گھر لاتے گی اور اُسے ہم سے بچانے کی کوشش کرے گی تو ماں بھی ہمارے ہاتھوں ماری جائے گی .... بڑے پنڈت جی! کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہماری بہن کا پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کہاں ہے، ورنہ خون خرابہ ہو جائے گا۔"

شفاعت کایاں آدمی تھا۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اس سطح کے لوگ جو جرائم کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں وہ اوسط درجہ انسان سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔ اب جرم وسزا کی صورتِ حال بالکل ہی بدل گئی ہے۔ جرم کر کے سزا سے بچنا مشکل نہیں رہا۔ انگریزوں کے دور میں قانون سے بچنا اگر ناممکن نہیں تو ایسا آسان بھی نہیں ہوتا تھا جیسے آج ہوتا ہے۔ میں شفاعت کی سطح کے مجرموں کی بات کر رہا ہوں۔ وہ بڑا کامیاب ایکٹر تھا اور فوراً بات کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا۔ اس نے فیروز سے زیادہ سے زیادہ رقم بٹورنے کی ٹھان لی۔

"ممتاز مجھے مری ہوئی نظر آ رہی ہے" — اُس نے کہا۔

"کہاں؟"

"تم نے کہا ہے کسی کو نہ بتانا" — شفاعت نے کہا — "میں زبان پہ نہیں لاؤں گا۔"

"ہاں" — فیروز نے کہا — "زبان پہ مت لائیں۔"

"لیکن مجھ پہ تمہارا حکم نہیں چلے گا" — شفاعت نے کہا — "ہو سکتا ہے کسی جگہ مجھے زبان پر لانا پڑے۔"

فیروز نے جیب سے دس دس روپوں کے کچھ نوٹ نکالے اور پانچ نوٹ شفاعت کے آگے پھینک دیئے۔ یہ رقم آج کے سات آٹھ سو روپوں کے برابر تھی۔

"زبان بند رکھنا" — فیروز نے شفاعت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا — "دیکھو سادھو مہاراج! میں تمہاری خدمت کر رہا ہوں۔ میری بات نہیں مانو گے تو صاف سُن لو۔ تم پیر اور پیغمبر نہیں ہو۔ تمہارا یہ علم تمہیں موت سے نہیں بچا سکے گا۔ تمہارے چیلوں چانٹوں کو تمہاری لاش ملے گی، یہ پتہ نہیں چلے گا کہ ان کے گورو مہاراج کو کون مار گیا ہے۔ دوستوں کی طرح بات کرو۔"

شفاعت طنزیہ سی ہنسی ہنس پڑا اور بولا — "دوست اس طرح بات نہیں کیا کرتے جس طرح تم کر رہے ہو۔ راز پورا دو، جیب سے کچھ اور نکالو، پھر اگر تم پہ ایسا وقت آن پڑا تو دیکھنا یہ گورو تمہیں کس طرح بچاتا ہے" — اُس نے فیروز کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں پوچھا — "بہن کو پار کر دیا ہے؟"

"نہیں، نہیں" — فیروز نے پُر زور طریقے سے کہا — "میں اُسے پار کر چکا ہوتا تو تمہارے پاس کیوں آتا؟"

"مجھے تو اُس کی لاش نظر آ رہی ہے" — شفاعت نے کہا۔

"ہو سکتا ہے اُسے کسی اور نے مار ڈالا ہو" — فیروز نے کہا — "اگر

ایسا ہوا ہے تو میں خوش ہوں۔"

"اُس آدمی سے نہیں پوچھا جسے وہ چاہتی تھی؟"

"وہ بے قصور ہے" — فیروز نے جواب دیا — "اُس نے ممتاز کو جواب دے دیا تھا.... یہ سب فالتو باتیں ہیں پنڈت جی! میں جس کام کے لئے آیا ہوں وہ کرو۔ یہ رقم تھوڑی نہیں۔ کہو گے تو اور بھی دوں گا۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ میری ماں اور خالہ کو پتہ نہ چلے کہ میں یہاں آیا تھا۔"

"اتنے ہی نوٹ اور دے دو" — شفاعت نے کہا۔

فیروز نے بڑے غصے سے پچاس روپے اور شفاعت کے آگے پھینک دیئے اور چلا گیا۔

پھولدار ریشمی کپڑا اور جھمکے

بولتے بولتے شفاعت اس طرح چونک پڑا جیسے کسی نے اُسے سوئی چبھوئی ہو یا جیسے اُسے کسی کیڑے مکوڑے نے کاٹ لیا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے پر خوف کا بڑا صاف تاثر آ گیا۔

"آپ نے کچھ دیکھا تھا ملک صاحب؟" — اُس نے قدرے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہ یار!" — میں نے کہا — "میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ تم اچانک ڈر گئے ہو.... کیا نظر آیا ہے؟"

"کسی چیز نے میرے دل کو بڑی زور سے پکڑ لیا تھا" — اُس نے کہا — "میں نے شاید سفید کپڑوں میں کسی کو دیکھا ہے۔ وہ اُڑ گیا ہے۔"

"تمہارا وہم ہے شفتا!" — میں نے کہا — "چرس کا کش لگا لو۔"

اُس نے ٹوپی میں تمباکو کے ساتھ چرس تو بھر لی لیکن وہ نارمل نہیں رہا تھا۔ اُس نے ٹوپی کا سارا تمباکو پی لیا۔ اس سے سنبھل گیا۔

"میں بڑی خطرناک لائن پہ چڑھ گیا ہوں" — اُس نے کہا — "لوگ کہا کرتے ہیں کہ جس کے قبضے میں جن ہوتے ہیں وہ جنوں کے ہاتھوں مرتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ یہ سب اس علم کا چکر ہے جسے لوگ کالا علم کہتے ہیں۔ یہ اُلٹا پڑ جاتے تو بُری موت مارتا ہے ..... مجھے ایک جھٹکا سا پڑا ہے۔"

میں اُس کی یہ کہانی اس لئے نہیں سُن رہا تھا کہ یہ بڑی دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی تھی، میں تو اُس لاش کے متعلق سراغ تلاش کر رہا تھا جو ناقابلِ شناخت حالت میں ملی تھی۔ کبھی ایسے پتہ چلتا تھا جیسے شفاعت سے مجھے سراغ مل رہا ہے، کبھی ایسے جیسے میرا وقت تباہ ہو رہا ہے۔

"اگر تھک گئے ہو تو تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ" — میں نے اُسے کہا۔

"نہیں ملک صاحب!" — اُس نے کہا — "میری بات پوری سُن لو۔ میں یقین سے نہیں کہہ رہا کہ وہ لاش ممتاز کی تھی۔ میں آپ کو ساری بات سُنا دیتا ہوں۔ سراغ لگانا آپ کا کام ہے۔"

اس کے بعد وہ بولتا تو رہا لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اُکھڑ گیا ہے۔ اُس کے بولنے میں پہلے والی جان نہیں رہی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ مجھے سُنا رہا تھا کہ انہی دنوں علی رضا نے اُس کے ساتھ شکوری کے متعلق بات کی کہ یہ لڑکی رات کو باہر آجاتی تو علی رضا اُسے خراب کر کے چھوڑ دے گا۔

یہ سارا واقعہ تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شفاعت نے کس طرح شکوری کو گھر سے نکالا تھا۔

شکوری کے لاپتہ ہونے کے تیسرے چوتھے روز شفاعت کو اُس کے چیلوں نے بتایا کہ دو سَوا دو میل دور ایک ویران جگہ سے ایک عورت کی لاش ملی ہے۔ چیلوں نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ لاش کھائی ہوئی ہے اور پہچانی نہیں جا سکتی۔ شفاعت نے یہ سُنا تھا کہ اس لاش کو شکوری کی لاش لکھ دیا گیا تھا لیکن اُس نے اس طرف زیادہ دھیان نہ دیا۔

"کیا تمہیں ممتاز یاد نہیں آتی تھی؟" — میں نے شفاعت سے پوچھا

— "تمہیں ایسا خیال نہیں آیا تھا کہ یہ لاش ممتاز کی ہو سکتی ہے؟"

"نہیں" — اُس نے جواب دیا — "مجھے کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ تین چار دنوں بعد میں وہاں سے گزرا تو ایک جگہ زمین پہ کچھ نشان سے نظر آئے۔ مجھے اچانک یاد آگیا کہ میرے بالکوں نے مجھے بتایا تھا کہ اس علاقے سے لاش برآمد ہوئی تھی اور وہ شاید یہی جگہ ہوگی۔ وہاں مٹی میں کپڑے کا ایک ٹکڑا دبا ہوا دیکھا۔ میں نے مٹی میں سے نکال لیا۔ اس پر کیچڑ جما ہوا تھا جو میں نے جھاڑا۔ یہ ٹکڑا الصف گز لمبا ہوگا۔ یہ لمبوترا تھا۔ جھاڑ کر دیکھا۔ یہ ریشمی پھولدار کپڑا تھا.....

"جہاں سے میں نے کپڑا مٹی کے نیچے سے نکالا تھا، وہاں پھر ویسے ہی نظر گئی تو چمکتی ہوئی کوئی چیز دکھائی دی۔ یہ مٹی میں دبی ہوئی تھی اور ذرا سی باہر تھی۔ میں نے اسے مٹی سے نکالا۔ یہ سونے کی مُرکی تھی۔ میں کپڑا اور مُرکی اُٹھائے ہوئے آگے چلا گیا۔ مجھے اُدھر ہی جانا تھا۔ برساتی نالے میں ایک جگہ تھوڑا سا پانی جمع تھا۔ کپڑا اس میں ڈبو کر نچوڑا تو اس سے مٹی بالکل صاف ہو گئی۔ میں نے اسے دھونے کی ضرورت اس لئے محسوس کی تھی کہ اس کپڑے پہ مجھے کچھ شک ہوا تھا۔ کپڑا دُھل کر سامنے آیا تو مجھے ممتاز یاد آگئی۔"

آپ کو یاد ہوگا کہ ممتاز کی ماں اور خالہ پہلے روز شفاعت کے پاس گئیں اور اُسے کہا تھا کہ ممتاز اپنے منگیتر کی بجائے کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ شفاعت نے اُنہیں کہا تھا کہ لڑکی کے جسم سے اُتری ہوئی قمیض اسے دے جائیں۔ اگلے روز اُنہوں نے اپنے نوکر کے ہاتھ ممتاز کی قمیض بھیجی تھی جو ریشمی کپڑے کی تھی۔ یہ ٹکڑا جو شفاعت کو ملا تھا، یہ بھی ریشمی کپڑے کا تھا، رنگ ممتاز کی قمیض والا اور پھول بھی وہی تھے۔

اُس زمانے میں دیہات کی عورتیں کاٹن کے کپڑے پہنتی تھیں۔ پھول دار کپڑوں میں چھینٹ زیادہ استعمال ہوتی تھی۔ ریشمی کپڑے امیر ماں باپ کی بیٹیاں پہنتی تھیں۔ ممتاز امیر زمیندار کی بیٹی تھی۔ ممتاز کی قمیض شفاعت کے پاس آئی تھی تو وہ اسے بہت دیر دیکھتا رہا تھا۔ یہ

کپڑا اسے بہت اچھا لگا تھا۔

اس کپڑے کا ایک ٹکڑا اٹھانے میں بھی آیا تھا جو محفوظ پڑا تھا۔ یہ ایک ہیڈ کانسٹیبل لایا تھا۔ اسی سے پتہ چلا تھا کہ یہ لاش شکوری کی نہیں تھی۔ میں نے یہ ٹکڑا نکال کر شفاعت کو دکھایا۔ اسے غور سے دیکھے بغیر اُس نے کہا کہ یہ وہی کپڑا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ ٹکڑا جو اُسے ملا تھا، وہ اُس کے پاس ہے؟

"محفوظ ہے یا نہیں، میں کچھ کہہ نہیں سکتا"۔ شفاعت نے بتایا "میری گُف میں پڑا ہوگا۔ میرے پاس مُرکی محفوظ پڑی ہے۔ اس وقت گُف میں ہے۔ وہ صبح سویرے آپ کے پاس بھیج دوں گا"۔

میں نے شفاعت سے کچھ اور باتیں پوچھیں اور اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ ایک کانسٹیبل کو اُس کے ساتھ اس لئے بھیجا کہ وہ شفاعت سے کپڑے کا ٹکڑا اور مُرکی لے آئے۔ شفاعت سے میں نے یہ بھی کہا کہ اُس نے شکوری کے کانوں سے جو جھمکے اُتارے تھے، وہ بھی بھیج دے۔

عمل اُلٹا ہوگیا

شفاعت اور کانسٹیبل کے جانے کے بعد میں سوچوں میں گُم ہوگیا۔ اِس ناقابلِ شناخت لاش کا معمہ حل کرنا تھا۔ اگر یہ لاش ممتاز کی تھی تو یہ واردات قتل کی بھی ہوسکتی تھی خودکشی کی بھی۔ میں نے شفاعت کی اتنی لمبی روئیداد ایک سراغرساں کی حیثیت سے سُنی تھی۔ مجھے کچھ اشارے ملے تھے۔ اگر ممتاز نے خودکشی کی تھی تو اُس کی لاش اُس کے گاؤں سے چار میل دُور کس طرح پہنچی؟ خودکشی کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ وہ جسے چاہتی تھی اُس نے اُسے جواب دے دیا تھا۔

یہ خیال بھی آیا کہ ضروری نہیں کہ شفاعت نے مجھے ہر بات صحیح بتائی

ہو یا اُسے ممتاز کی ماں اور خالہ نے ہر ایک بات بتائی ہو۔ میرا خیال تھا کہ ممتاز کا تعلق کسی اور کے ساتھ بھی تھا۔ ایک سے اُسے جواب ملا تو وہ دوسرے کے ساتھ گھر سے نکل گئی اور راستے میں قتل ہوگئی۔ قاتل وہی ہوسکتا تھا جس کے ساتھ وہ گھر سے گئی تھی۔ اُس نے ممتاز کو راستے میں بے آبرو کیا اور قتل کر کے لاش دبا دی۔ قتل کا شک اُس کے پہلے چاہنے والے پہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ تو اُس کے ساتھ تعلق توڑ چکا تھا۔

اگر ایسا نہیں ہُوا تو بھائیوں کو فوراً پتہ چل گیا کہ بہن گھر سے نکل گئی ہے۔ اُنہوں نے تعاقب کیا اور بہن کو ایک آدمی کے ساتھ جاتا پکڑ لیا۔ وہ آدمی بھاگ گیا اور بھائیوں نے بہن کو قتل کر کے لاش وہیں دبا دی۔ ممتاز کے ساتھی کا قتل ہونا لازمی تھا۔ وہ اس لئے بچ گیا ہوگا کہ وہ بھاگ گیا اور دوسری وجہ یہ کہ بھائیوں کو معلوم نہ ہوسکا ہوگا کہ وہ آدمی کون تھا۔ شفاعت کے بیان کے مطابق یہ وہ آدمی نہیں تھا جس کا ذکر ممتاز کی ماں اور خالہ نے کیا تھا۔

بھائیوں پہ مجھے اس وجہ سے بھی شک ہو رہا تھا کہ بڑے بھائی نے شفاعت سے کہا تھا کہ وہ اپنے علم کے زور سے اگر معلوم کر لے کہ ممتاز کہاں ہے تو کسی کو نہ بتاتے۔ اُس نے وجہ یہ بتائی تھی کہ اُس کی بہن واپس آگئی تو اُس کے ہاتھوں ماری جائے گی۔ میرا خیال تھا کہ وجہ یہ نہیں تھی۔ اس بھائی نے اکیلے یا دونوں بھائیوں نے ممتاز کو قتل کر دیا تھا۔ شفاعت نے جب اُسے کہا کہ اُسے اُس کی بہن کی لاش نظر آ رہی ہے تو بھائی نے شفاعت کو مُنہ مانگے پیسے دیتے تھے۔

مجھے اپنے ایک ہندو کانسٹیبل کی بات یاد آئی۔ سب سے پہلے اُس نے مجھے بتایا تھا کہ لاش قابلِ شناخت نہیں تھی اور سب انسپکٹر بہل داس اور اے۔ ایس۔ آئی نارائن نے شکوری کے ماں باپ کو ڈرا دھمکا کر اُن سے تصدیق کرائی تھی کہ یہ لاش اُن کی بیٹی کی ہے۔ اس ہیڈ کانسٹیبل نے کہا تھا کہ بہل داس اور نارائن مِل کر گڑبڑ کیا کرتے تھے۔ اُس نے یہ بھی کہا

تھا کہ بمل داس نے لاش کی غلط شناخت کرا کے کچھ کمایا ہے۔

یہ بات یاد آئی تو میں نے اس شک پر بھی غور کیا کہ ممتاز کو قتل کرنے والے نے بمل داس کی مٹھی گرم کی ہوگی اور بمل داس نے لاش کی غلط شناخت کرا کے قاتل کو بچا لیا ہوگا۔

رات کو میں گھر چلا گیا تھا۔ جس کانسٹیبل کو میں نے شفاعت کے ساتھ بھیجا تھا، وہ میرے گھر آ گیا۔ وہ مُرکی اور شکوری کے جھمکے شفاعت سے لے آیا تھا۔ کپڑے کا وہ ٹکڑا اُسے نہیں مل سکا جو اُسے لاش کی برآمدگی کی جگہ سے ملا تھا۔ اُسے سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ شفاعت سادھو تھا، پولیس کا افسر تو نہیں تھا۔

میں نے مُرکی دیکھی۔ یہ وزنی تھی اور اس میں دو نگ بھی جڑے ہُوئے تھے۔ دیہاتی عورتیں مُرکیاں پہنا کرتی تھیں لیکن یہ وزنی مُرکی کسی عام عورت کی نہیں لگتی تھی۔ یہ مُرکی یقیناً لاش کے کان سے اُتری تھی۔ درندوں نے چہرہ بھی کھا لیا تھا۔ یہ مُرکی کان سے الگ ہو گئی۔ دوسری کسی گیدڑ، بھیڑیئے یا کُتّے کے پیٹ میں لاش کے دوسرے کان کے ساتھ ہی چلی گئی ہوگی۔

مُرکی کے متعلق مجھے صبح تفتیش کرنی تھی۔ کانسٹیبل میرے پاس بیٹھ گیا۔

"ملک صاحب!" اُس نے کہا — "اِس سادھو نے راستے میں مجھے ڈرایا تھا.... جب وہ اپنی گُف سے تھوڑی دُور رہ گیا تو اس طرح ڈر کر رُک گیا جیسے کوئی جانور بدک کر رُک جاتا ہے۔ میں ڈر گیا۔ سادھو میرے قریب ہو گیا اور ہر طرف دیکھنے لگا.... میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا ہُوا ہے؟ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کچھ دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ وہ کہنے لگا کہ وہ پھر آ گئے ہیں۔ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اُسے کون نظر آیا ہے؟ اُس نے کہا کہ مؤکل (جنّات) ہیں۔ میں نے اِن سے ایک کام کرایا تھا۔ وہ تو اُنہوں نے کر دیا ہے لیکن میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں انہیں راضی کس طرح کروں....

"مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اُس کی حالت بتا رہی تھی کہ اُسے کوئی بڑی ڈراؤنی چیز نظر آ رہی ہے۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر اُس چیز کو جو صرف اُسے نظر آ رہی تھی، کہا — 'مانگو مجھ سے کیا مانگتے ہو، مجھے بخش دو۔ میں نے بُرا کیا تھا۔ تمہیں اپنے پیر پیغمبر کی قسم، مجھے بخش دو۔ پھر کبھی ایسا کام نہیں کروں گا' — اس کے بعد وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ مجھے ایسے پتہ چل رہا تھا جیسے اُسے جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ چلا گیا ہے ....

"ملک صاحب! میرا دل ابھی تک دھک دھک کر رہا ہے۔ اُس کی گُف میں داخل ہُوتے تو اُس کے چیلے دیسی شراب پی رہے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑے ہُوتے۔ سادھو نے انہیں کہا کہ معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ س نے مجھے مُرکی اور جھمکے نکال دیئے لیکن بہت تلاش کے باوجود کپڑے ٹکڑا نہ ملا۔ مجھے واپس اکیلے آنا تھا لیکن میں اتنا ڈر گیا تھا کہ گُف سے باہر م رکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ سادھو نے مجھے کہا کہ تمہیں ڈرنے کی ضرورت ہیں، وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے نہ تمہیں نظر آئیں گے .... میں نے دل مضبوط ا اور آ گیا۔"

شفاعت کو ایسا ہی دورہ میرے پاس بھی پڑا تھا۔ میں نے سُن حا تھا کہ کالا علم چلانے والوں کی اپنی جان خطرے میں رہتی ہے اور اس لٹا اثر ہو جاتا ہے۔ کسی کو پریشان کرنے کے لئے کالا جادو کیا جاتے تو لٹا بھی ہو سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ شفاعت اپنے ہی پُراسرار عمل کا ار ہو رہا تھا۔ اُس نے شکوری جیسی نیک لڑکی کو کالے جادو کے ذریعے رسے نکالا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ اُسی کا اُلٹا اثر تھا۔ مجھے یاد آیا کہ اس میرے ساتھ باتیں کرتے کہا تھا — "میرے آگے کوئی ساری دُنیا دولت رکھ دے، میں یہ کام پھر کبھی نہیں کروں گا۔ لڑکی میرے سامنے ی تھی اور مجھے اس طرح پتہ چل رہا تھا کہ باہر جنّ بھوت ناچ رہے ہیں۔ جان گیا کہ عمل اُلٹا ہو رہا ہے اور اب میری خیر نہیں۔"

مجھے اِس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس کی خیر تھی یا نہیں،

میرا مسئلہ کچھ اور تھا۔ شفاعت کی خیر خیریت کے ساتھ مجھے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں تھی۔

میں نے کانسٹیبل کو بھیج دیا اور خود سو گیا۔

لڑکی نے کہا — "کچھ کھا کر مر جاؤں گی"

میں نے دوسرے دن شکوری کے باپ کو گاؤں سے بُلوایا۔ میں نے کانسٹیبل سے کہہ دیا تھا کہ شکوری کے باپ کو بتا دینا کہ شکوری کی انگوٹھی اور جھمکے لے جائے۔

مجھے ممتاز کے دونوں بھائیوں اور ماں باپ کو تھانے بلانا تھا۔ وہ سب مُشتبہ تھے۔ وہ دوسرے تھانے کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ میں نے دفتری کارروائی کرنے سے پہلے اُس تھانے کے سب انسپکٹر انچارج کو ٹیلیفون پر بتا دیا کہ مجھے اُس کے علاقے کے فلاں فلاں افراد کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے شکوری کا باپ آیا۔ اُس کے ساتھ نائیک زبیر احمد بھی تھا۔ اُسے پتہ چلا کہ شکوری کے باپ کو تھانے بلایا گیا ہے تو وہ بھی ساتھ چل پڑا۔ میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ اُس کی چھٹی کے دس دن رہ گئے ہیں۔ وہ ڈیڑھ ماہ کی چھٹی آیا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس نے اپنے ماں باپ کو راضی کر لیا ہے اور وہ شکوری کے ساتھ شادی کر رہا ہے۔

شکوری کے باپ نے شکوری کے جھمکے پہچان لئے۔ انگوٹھی زبیر کی خریدی ہوئی تھی۔ یہ منگنی کی انگوٹھی تھی۔ میں نے دونوں چیزیں شکوری کے باپ کو دے دیں۔ وہ رو پڑا۔

"اگر زبیر ہماری مدد نہ کرتا تو ہم جیتے جی ختم ہو گئے تھے" — شکوری کے باپ نے کہا — "زبیر نے بڑی دلیری سے لوگوں کو بتایا ہے کہ شکوری کہاں گئی اور کس طرح گئی تھی۔"

وہ دونوں جانے لگے تو زبیر میرے پاس کھڑا رہا۔ میں نے اُسے

پہلے بھی کہا تھا اور ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھے اور انتقام کی نہ سوچے۔

"میں اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں" — اُس نے کہا — "لیکن میں بتا نہیں سکتا کہ سادھو کو دیکھ کر میں ٹھنڈا رہ سکوں گا یا نہیں۔"

یہ ذہن میں رکھیں کہ میں نے زبیر کو یہ نہیں بتایا تھا کہ سادھو دراصل ایک جرائم پیشہ ہے۔

دوپہر سے کچھ دیر بعد ممتاز کے والدین اور دونوں بھائی آ گئے۔ وہ گھوڑوں پر آئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے ممتاز کے بڑے بھائی کو اپنے دفتر میں بلا کر بٹھایا۔

"تمہاری بہن جس کا نام ممتاز ہے، کہاں ہے؟"

"یہ پتہ ہوتا تو ہم اُسے وہاں سے لے آتے" — اُس نے جواب دیا — "وہ کسی کے ساتھ چلی گئی ہے۔"

"تھانے میں رپورٹ درج کرائی ہو گی!"

"نہیں۔"

"کیوں؟" — میں نے پوچھا — "کیا تمہارے والد صاحب اور والدہ صاحبہ نے کہا تھا کہ تھانے مت جاؤ؟" — میں نے ساتھ ہی کہہ دیا — "میری بات غور سے سن لو فیروز بھائی! میری بات صرف تمہارے ساتھ نہیں ہو گی۔ میں ایک ایک سوال دس دس بارہ بارہ آدمیوں سے پوچھوں گا۔ تم جتنا جھوٹ بول سکتے ہو بول لو، میرے سامنے جھوٹ اور سچ الگ الگ ہو جائیں گے۔ اچھی طرح سوچ لو۔ تمہارے مُنہ سے نکلا ہوا جھوٹ تمہیں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر سکتا ہے۔"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں جناب!" — فیروز نے کہا — "میں آپ کو صاف بتا دیتا ہوں کہ میں ایسی بہن کو تلاش کر کے گھر لانا نہیں چاہتا۔ اگر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ فلاں جگہ ہے تو میں وہاں جا کر اُسے

اور جس کے ساتھ وہ گئی ہے، اُسے بھی قتل کر دوں گا۔ میری ماں اور میرے باپ نے کہا تھا کہ تھانے رپورٹ دے دیتے ہیں لیکن میں نے اور میرے چھوٹے بھائی نے ماں اور باپ کی نہیں مانی۔ میں نے ماں سے کہا کہ ہم دونوں بھائیوں کو پھانسی چڑھانا یا کالے پانی بھجوانا چاہتی ہو تو پولیس کے پاس جاؤ اور اپنی بیٹی کو ڈھونڈ لاؤ۔"

"تم نے یہ تو معلوم کیا ہو گا کہ تمہاری بہن گئی کس کے ساتھ ہے؟"

"نہیں"۔۔۔ فیروز نے جواب دیا۔

"پھر تم غیرت مند تو نہ ہوئے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "تم اتنے شیر بہادر ہوتے تو اس آدمی کا سراغ لگا کر اُسے دن دیہاڑے قتل کرتے اور تھانے میں آجاتے۔"

"پتہ نہیں چل رہا وہ کون ہے"۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ "معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تمہارے گاؤں کا ہی کوئی آدمی ہو گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "کیا تمہارے گاؤں کا کوئی آدمی غیر حاضر نہیں؟"

"نہیں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔

"کسی پر شک نہیں؟"

"کچھ پتہ نہیں چلتا"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میں نے تو اس بہن کو دل سے اُتار دیا ہے۔۔۔۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ ہماری طرف سے کوئی عرض رپورٹ نہیں۔"

"عرض رپورٹ تو میری طرف سے بھی کوئی نہیں"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "لیکن قانون ایسا ہے جو مجھے مجبور کر رہا ہے اور اُوپر سے حکم بھی ایسا آیا ہے جسے میں ٹال نہیں سکتا۔"

میں نے اُسے نہ بتایا کہ ایک لاش ملی ہے اور یہ اُس کے متعلق تفتیش ہو رہی ہے۔

"وہ لاش ہمیں دکھا دیں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "ہماری بہن کی

ہوئی تو ہم بتا دیں گے۔ پہلے ہم سے یہ تو پوچھیں کہ یہ لاش کس کی ہے؟ کیا یہ ہماری بہن کی ہے؟"

"لاش کا چہرہ نہیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "وہ شناخت نہیں ہو سکتی۔"

"پھر لکھ لیں کہ میری بہن لاپتہ ہو گئی ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "یہ بھی لکھیں کہ وہ اپنی مرضی سے گئی ہو گی۔ ہم اُسے واپس نہیں لانا چاہتے۔"

"ایسا ہی کروں گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ اس آدمی پر تمہیں شک نہیں جس کی خاطر تمہاری بہن اپنے ماں باپ کی کی ہوئی منگنی قبول نہیں کر رہی تھی؟"

اُس نے چونک کر میرے مُنہ کی طرف دیکھا۔ حیرت سے جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی تھی۔

"آپ کو کس نے بتایا ہے؟"۔۔۔ اُس نے حیرت سے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرے مُنہ سے تم ایسی باتیں سنو گے جو تم سمجھتے ہو کہ تمہارے سوا کسی کو معلوم نہیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اسی لئے میں نے تمہیں سب سے پہلے کہہ دیا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا۔۔۔۔ اب بتاؤ تم نے اس آدمی پر۔۔۔"

"سب سے پہلا شک تو اُسی پر ہونا چاہئے تھا"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "لیکن اُس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ہماری بہن کو اس طرح لے جاتا۔ وہ آدمی گاؤں میں موجود ہے اور اُس سے میں پوچھ چکا ہوں۔ اُس کا میری بہن کے ساتھ غلط تعلق نہیں تھا۔ میری بہن اُسے پسند کرتی تھی۔ وہ بُرے چال چلن کا آدمی نہیں۔ اُس نے مجھے ایک عورت کا نام بتا کر کہا کہ اُس سے پوچھ لو کہ میں نے تمہاری بہن کو کیا پیغام بھیجا تھا۔۔۔

"میں نے اُس عورت سے پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ اس شخص نے میری بہن کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں محبت کی خاطر تمہارے ماں باپ اور بھائیوں کی عزت خاک میں نہیں ملاؤں گا۔ تم اُس منگنی کو قبول کر لو جو ماں باپ نے تمہاری کر دی ہے۔ میرا تمہارا تعلق ختم ہے۔"

"تم نے اس عورت سے پوچھا نہیں کہ تمہاری بہن نے کیا جواب دیا تھا؟" — میں نے پوچھا۔

"پوچھا تھا" — اُس نے جواب دیا — "میری بہن نے جواب دیا تھا کہ تم نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تو بھی میں اپنی منگنی قبول نہیں کروں گی۔ کچھ کھا کر مر جاؤں گی۔"

"تم نے اپنی بہن سے باز پُرس نہیں کی؟"

"میں نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ اپنی بیٹی کو سیدھے راستے پر لاؤ ورنہ یہ زندہ نہیں رہے گی۔"

"وہ لاپتہ کس طرح ہوئی تھی؟"

"ایک صبح ہم جاگے تو وہ نہیں تھی" — فیروز نے جواب دیا — "میری ماں رونے لگی۔ باپ نے کہا کہ تھانے چلو۔ میں نے اور میرے بھائی نے کہا کہ اُسے وہیں رہنے دو جہاں وہ چلی گئی ہے۔ اچھا ہوا وہ بدکار چلی گئی ہے۔"

"تم نے اُس عورت سے نہیں پوچھا تھا جو اُس آدمی کا پیغام تمہاری بہن کے پاس لاتی تھی؟" — میں نے پوچھا اور کہا — "ایسی عورتیں ہر کسی کے خفیہ پیغام اِدھر اُدھر پہنچاتی ہیں۔"

"اُس سے تو میں نے بڑی اچھی طرح پوچھا تھا" — اُس نے جواب دیا — "ابھی تک ہڈیوں کی ٹکور کرتی ہوگی۔ وہ بدمعاش عورت ہے۔"

میں نے اُس سے اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھیں لیکن لاش کا ذکر نہ کیا۔ اُسے کوئی شک بھی نہ ہونے دیا۔ میرا انداز دوستانہ رہا۔ وہ دلیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس سطح کے زمیندار روپے پیسے، اثر و رسوخ اور زمین جائیداد کی وجہ سے دلیر ہوا کرتے تھے۔ میں نے اُسے باہر بیٹھنے کو کہا اور اُس کے چھوٹے بھائی کو بلایا۔

شک پختہ نہیں تھا

اس بھائی کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ اُس نے اپنا نام اقبال بتایا۔ بڑے بھائی کی طرح اُس کے چہرے پر بھی پولیس کا ڈر نہیں تھا۔

"کہو اقبال!" — میں نے پوچھا — "تمہاری بہن کہاں گئی؟"

"گئی جہنم میں" — اُس نے کہا اور یُوں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اُسے میری کوئی پرواہ نہیں۔

"میں ڈرتا ہوں کہیں تم بھی جہنم میں نہ پہنچ جاؤ" — میں نے مسکرا کر کہا — "وہ تو سُنا ہے صرف ایک آدمی کو چاہتی تھی لیکن وہ گاؤں میں موجود رہا اور تمہاری بہن غائب ہوگئی۔"

"وہ ہماری بہن تھی" — اُس نے کہا — "آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟"

"نہ میرے بھائی!" — میں نے دوستانہ لہجے میں کہا — "تم میرے سوالوں کا جواب دو، مجھ سے سوال نہ پوچھو.... میں تمہیں ایک بات کہہ دیتا ہوں۔ جھوٹ بولو گے تو خوش نہ ہونا کہ تم نے سچ پر پردہ ڈال لیا ہے۔ سچ اپنے آپ سامنے آجائے گا۔ بہتر ہے ابھی سے سچ بولنا شروع کر دو۔ کچھ باتیں تمہارا بھائی بتا گیا ہے، کچھ تمہاری ماں بتائے گی، کچھ تمہارا باپ بتائے گا۔ گاؤں کے کئی اور لوگ ہیں جو بہت سی باتیں جانتے ہیں۔ میں ان سب کو تھانے بلاؤں گا۔ تمہارا جھوٹ کھل کر سامنے آجائے گا۔"

"آپ کو صرف اس سوال کا جواب چاہیئے کہ میری بہن کہاں ہے" — اُس نے بڑے رُعب سے کہا — "میرا جواب یہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ اور پوچھیں آپ کیا پوچھتے ہیں۔"

"تم اپنی بہن کو تلاش نہیں کرنا چاہتے؟"
"نہیں"— اُس نے جواب دیا۔
"کیوں؟"
"اِس لئے کہ وہ ہمیں مل گئی تو ہم اُسے جان سے مار ڈالیں گے"— اُس نے کہا۔
"تم اتنے غیرت مند ہوتے تو اُسے جان سے مار ڈالنے کے لئے تلاش کرتے"— میں نے کہا —"تم بزدل ہو۔ تم ڈرتے ہو کہ جو آدمی اُسے لے گیا ہے، وہ تمہیں جان سے مار ڈالے گا۔"
"اُسے آپ ہمارے سامنے لائیں"— اُس نے کہا —"پھر دیکھنا کون کسے جان سے مارتا ہے۔"
میں نے دیکھا کہ دونوں بھائیوں کے دماغ میرے قبضے میں نہیں آرہے۔ میں نے اور زیادہ دباؤ نہ ڈالا۔ یہ میرا شک تھا کہ اپنی بہن کو ان دونوں نے قتل کیا ہے۔ میرا شک زیادہ پختہ نہیں تھا۔ اگر یہ اتنے غیرت مند ہوتے تو اُس آدمی کو نہ چھوڑتے جس کے پیچھے ان کی بہن کسی اور کو اپنا خاوند قبول نہیں کر رہی تھی۔ میرے پاس شک کی وجوہات تھیں لیکن ان دونوں سے منوانا ابھی مشکل تھا۔
"وہ کس وقت گھر سے نکلی تھی؟"
"رات کو"— اُس نے جواب دیا —"صبح اُٹھ کر دیکھا۔ وہ چارپائی پر نہیں تھی۔"
"سب سے پہلے کس نے دیکھا تھا کہ وہ غائب ہے؟"
"ہماری ماں نے اور والد صاحب نے"— اُس نے جواب دیا۔
"تم لوگوں نے گاؤں کے اُن گھروں میں جہاں وہ جایا کرتی تھی، دیکھا ہوگا"— میں نے پوچھا —"انتظار کیا ہوگا کہ وہ واپس آجائے گی۔"
"دیکھا تھا"— اُس نے جواب دیا —"انتظار بھی کیا تھا۔"
"گھروں میں دیکھنے کون گیا تھا؟"

"ہماری ماں گئی تھی"— اُس نے جواب دیا —"وہ کہیں نہ ملی۔"
"گاؤں والے پوچھتے ہوں گے کہ ممتاز کہاں ہے"— میں نے پوچھا —"تم کیا جواب دیتے تھے؟"
"کہہ دیتے تھے کہ معلوم نہیں کہاں گئی ہے"— اُس نے جواب دیا —"گاؤں میں کوئی ہم پر اُنگلی اُٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"
میں اس کے ساتھ بھی لاش کی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ ان بھائیوں کو میں ابھی سونگھ رہا تھا۔ بڑی مشکل تفتیش تھی۔
میں نے چھوٹے بھائی کو باہر بھیج دیا اور ان کی ماں کو بلایا۔

خوبصورت ماں

ماں اس عمر میں بھی خوبصورت تھی۔ سر کے دو چار بال ہی سفید ہوئے ہوں گے۔ چہرے سے اُس کی اصل عمر کا پتہ چلتا تھا لیکن جوانی والی کشش کے آثار ابھی باقی تھے۔ چہرے پر اُداسی تھی۔ آنکھیں کچھ سوجی ہوئی تھیں اور ناک کی نوک سُرخ تھی۔ آنکھوں اور ناک سے پتہ چلتا تھا کہ وہ روتی رہی ہے۔ میں نے اُس کے ساتھ ہمدردی کی باتیں کیں اور تھانے کی گھبراہٹ اُتارنے کے لئے اِدھر اُدھر کی گپ شپ لگائی۔
"تمہیں کچھ تو اندازہ ہوگا کہ تمہاری بیٹی کس کے ساتھ گئی ہوگی؟"— میں نے پوچھا۔
"کچھ پتہ نہیں"— اُس نے جواب دیا پھر مجھ سے پوچھا —"آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میری بیٹی لاپتہ ہو گئی ہے؟ .... جب سپاہی ہمیں بلانے آیا تو میں بہت خوش ہوئی کہ شاید میری بیٹی مل گئی ہے۔ سپاہی سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ اُسے معلوم ہی نہیں کہ ہمیں تھانے کیوں بلایا گیا ہے۔"
میں نے اُس کے اس سوال کا جواب نہ دیا کہ مجھے اُس کی بیٹی کی

گمشدگی کی اطلاع کس نے دی ہے۔ میں نے کپڑے کا وہ ٹکڑا جو ہندو کانسٹیبل لاش کی برآمدگی کی جگہ سے اُٹھا لایا تھا، اس عورت کے سامنے رکھ دیا اور مُرکی بھی کپڑے کے ساتھ رکھ دی۔

ماں پہلے تو دونوں چیزوں کو ہاتھ لگائے بغیر دیکھتی رہی اور میں اُس کے چہرے پہ نظریں جما کر دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا اور اُس کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ اُس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھنے لگے اور وہ آگے کو جھکتی آئی۔ اُس نے کپڑا ایک ہاتھ میں اور مُرکی دوسرے ہاتھ میں لی اور ان چیزوں کو دیکھنے لگی۔ ایک آدھ منٹ بعد اُس نے میری طرف دیکھا۔

"کہاں ہے میری بچی؟" — اُس نے گھبرائی ہوئی سرگوشی میں پوچھا — "کہاں ہے؟ وہ زندہ ... نہیں .... وہ زندہ ہوگی۔"

"کیا یہ تمہاری بیٹی کی قمیض کا کپڑا ہے؟"

"جس رات وہ گھر سے گئی تھی، اُس نے اسی کپڑے کی قمیض پہن رکھی تھی" — اُس نے کہا — "یہی رنگ تھا اور پھول بھی یہی تھے.... اور یہ مُرکی تو ہے ہی اُسی کی۔ یہ میں نے خود اُسے بنوا کر دی تھی۔"

میں نے جُوتی کا وہ جوڑا بھی اُسے دکھایا جو جھنگن نے لاش کے پاؤں سے اُتار کر پہن لیا تھا۔ یہ عام قسم کی جُوتی تھی جو دیہاتی عورتیں پہنا کرتی تھیں۔ ماں نے کہا کہ یہ جُوتی اُس کی بیٹی کی ہوسکتی ہے لیکن میں نے سوچا کہ یہ تو کسی اور عورت کی بھی ہوسکتی ہے۔

"میری بیٹی کہاں ہے؟" — اُس نے اب کے روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں ابھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا" — میں نے کہا — "خدا کرے تمہاری بیٹی جہاں کہیں ہو، زندہ اور سلامت ہو۔ بہت دن ہوتے ایک ویران جگہ سے ایک لاش ملی تھی لیکن اسے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ چہرہ اور زیادہ تر جسم کھایا ہُوا تھا۔ گیدڑوں، گِدھوں وغیرہ نے

لاش کو کھایا تو کپڑے تار تار ہوگئے۔ میں دراصل یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ لاش کس کی تھی۔"

"لاش کہاں ہے؟"

"دفن کر دی گئی تھی" — میں نے کہا — "وہ پہچانی نہیں جاتی تھی .... ضروری نہیں کہ وہ لاش تمہاری بیٹی کی ہو.... مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگوں نے بیٹی کے لاپتہ ہونے کی رپورٹ تھانے میں کیوں نہیں دی تھی؟"

"بیٹے نہیں مانتے تھے" — اُس نے جواب دیا — "دونوں بیٹے کہتے تھے کہ وہ چلی گئی ہے تو اچھا ہے۔ مل گئی تو ماری جائے گی۔ میں رو دھو کر چُپ ہوگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ بیٹے جو کہہ رہے ہیں وہ کر کے بھی دکھا دیں گے۔ کون سی ماں چاہے گی کہ اُس کے بیٹے پھانسی چڑھ جائیں!"

"تمہاری بیٹی کس طرح لاپتہ ہُوئی تھی؟"

"میں اور میرا خاوند دوسرے گاؤں میں شادی پہ چلے گئے تھے" — اُس نے کہا — "رات وہیں رہنا تھا۔ میں اگلے روز شام کو واپس آئی۔ بیٹوں نے یہ خبر سنائی کہ ممتاز کہیں چلی گئی ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ رات سوئی تھی۔ صبح نہیں تھی۔ میں نے سر پیٹ لیا۔ بیٹوں سے کہا کہ تھانے اطلاع دو۔ اُنہوں نے جو جواب دیا وہ آپ کو بتا چکی ہوں۔"

"تمہارا خاوند کیا کہتا تھا؟"

"میرے خاوند کی آپ کیا پوچھتے ہیں" — اُس نے جواب دیا — "اُسے خدا نہ عقل دیتا ہے نہ موت۔ وہ تو صرف ہاں میں ہاں ملانا جانتا ہے۔"

مجھے تو معلوم تھا کہ ممتاز کسے چاہتی تھی۔ یہ میں ماں پہ ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ مجھے معلوم ہے۔

"ماں اپنی بیٹی کی رازدار ہوتی ہے" — میں نے کہا — "تمہاری بیٹی کسی کو چاہتی ہوگی۔"

"ہاں" — اُس نے کہا — "ایک آدمی ایسا ہے لیکن وہ گاؤں میں موجود تھا۔ اب بھی موجود ہے۔ اُس نے ممتاز سے تعلق توڑ لیا تھا۔"

اُس پر مجھے شک نہ ہُوا۔ میں نے سب سے پہلے اُسی سے پوچھا تھا۔ میرے بیٹے مجھ سے پہلے ہی اُس سے پُوچھ چکے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ایسا آدمی نہیں جس پر ہم شک کرتے۔"

ماں نے مجھے اپنے بیٹوں کے خلاف شک میں ڈال دیا۔ میں نے اس کے چھوٹے بیٹے اقبال سے پوچھا تھا کہ گھر میں سب سے پہلے کِسے پتہ چلا تھا کہ اس کی بہن غائب ہے۔ اقبال نے جواب دیا تھا کہ اُس کی ماں اور اُس کے باپ کو۔ اب ماں نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ کسی دوسرے گاؤں میں تھی اور اگلے روز شام کے وقت واپس آئی تھی۔

میرے سامنے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ لاش کس کی تھی۔ دوسرا سوال یہ، کیا یہ ممتاز کی لاش تھی؟ یہ تو میں نے فرض کر لیا تھا کہ یہ ممتاز کی لاش تھی۔ اُس کی قمیض کا ٹکڑا، مُرکی اور جُوتی گواہی دے رہی تھیں۔ سب سے پہلے اس کی تصدیق ضروری تھی۔ تصدیق ہو جانے پر مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ قاتل کون ہے۔

مجھے ایک خیال آگیا۔ میں نے ممتاز کے باپ اور بھائیوں کو تھانے میں بیٹھا رہنے دیا اور ماں کو گھوڑی پر سوار کر کے اُس جگہ لے چلا جہاں سے لاش برآمد ہوئی تھی۔ ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لے لیا تھا اور ایک کدال بھی ساتھ لے لی تھی۔

ٹُوٹی ہُوئی چوڑیاں

لاش ایسی جگہ دبائی گئی تھی جہاں کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی۔ میں نے کانسٹیبلوں سے کہا کہ اس جگہ سے تھوڑی تھوڑی مٹی ہٹائیں اور

میں اپنے متعلق آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں جنونی اور خبطی تھا۔ میں گہرائی میں جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے لئے بڑا آسان تھا کہ کچھ دنوں بعد ڈی۔ ایس۔ پی کو رپورٹ دے دیتا کہ لاش کے متعلق

کچھ پتہ نہیں چلا کہ یہ کس کی تھی لیکن میں اِسے اپنی شکست سمجھتا تھا۔ مجھے کچھ سراغ مل رہے تھے۔ میں نے اس یقین کے ساتھ تفتیش جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا کہ یہ ممتاز کی لاش تھی۔

میں ممتاز کی ماں کو واپس تھانے لے گیا۔ اُس کا خاوند اور بیٹے بہت پریشان تھے۔ میں سب کو اپنے دفتر میں لے گیا۔ ممتاز کی ماں رو رہی تھی۔ اُس نے انہیں بتایا کہ بہت دن پہلے کھائی ہُوئی ایک لاش ملی تھی۔ اُس کی تمام نشانیاں ممتاز کی تھیں۔ اُس نے وہاں سے کپڑوں کے اور چوڑیوں کے جو ٹکڑے اُٹھائے تھے اور سونے کا جو پتّا ملا تھا، وہ سب کو دکھا کر کہا کہ یہ ساری چیزیں ممتاز کی ہیں۔

"وہ خود نہیں مری" ــــ میں نے کہا ــــ "اُسے قتل کیا گیا ہے۔ اگر اُسے خودکُشی کرنی ہوتی تو گھر میں کرتی یا گاؤں کے قریب کرتی۔ اتنے دُور آکر خودکُشی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ اُس کی لاش کو زمین میں کس نے دبایا تھا؟ ..... کیا تمہارا کوئی دشمن ہے؟"

"نہیں" ــــ ممتاز کے بڑے بھائی نے کہا ــــ "ہم معلوم کر لیں گے۔"

"ہاں، معلوم کریں" ــــ میں نے کہا ــــ "تم سب اپنے گاؤں چلے مٹی کو اس طرح دیکھیں جیسے سوئی ڈھونڈنی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔

کانسٹیبلوں نے اُس جگہ سے مٹی ہٹا کر اور ہاتھ مار مار کر مٹی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ میں خود مٹی کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے کچھ ملنا شروع ہو گیا۔ یہ چوڑیوں کے ٹکڑے تھے۔ کپڑوں کے ٹکڑے بھی ملے۔ ماں بھی مٹی میں ہاتھ مارنے لگی۔ اُسے ایک اور چیز مل گئی۔ یہ پان کے پتّے کی شکل کی سونے کی پتری تھی جس میں نگ جڑے ہُوئے تھے۔ یہ کالے دھاگے میں پروئی ہوئی تھی۔ یہ زیور کی ایک آئٹم تھی۔

"میری بیٹی یہ پتّا گلے میں ڈالے رکھتی تھی" ــــ ماں نے مجھے بتایا

اور وہ بے قابو ہو کر رونے لگی۔

کانسٹیبلوں نے نیچے کی مٹی اُوپر کر دی۔ کپڑے کے ٹکڑوں اور ٹوٹی ہوئی چوڑیوں اور سونے کے پتے کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ ماں کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ یہ ممتاز کی چیزیں ہیں۔

میں آپ کو زیادہ باریکیوں میں اور ذرا ذرا سی تفصیل میں نہیں لے جا رہا۔ میں ہر چیز کے متعلق ممتاز کی ماں سے کئی کئی سوال پوچھتا تھا اُس کے جواب بڑے صاف تھے۔ ان سے مجھے بھی یقین ہونے لگا کہ یہ ممتاز کی لاش تھی، لیکن قانون اس عورت کے اور میرے یقین کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس قسم کی لاش کی شناخت کے کچھ اور تقاضے ہوتے تھے۔

جاؤ۔ گاؤں سے غیر حاضر نہ ہونا"

وہ سب چلے گئے۔

لاش میرے علاقے سے برآمد ہوئی تھی اور تفتیش دوسرے تھانے کے علاقے میں کرنی تھی۔ اُس تھانے کا انچارج سب انسپکٹر معین الدین خان تھا۔ دراصل اُسے بھی میرے ساتھ رہنا تھا لیکن اُس نے مجھے کہا کہ میں ہی تفتیش میں لگا رہوں۔ میں اُسی روز اُس کے پاس چلا گیا اور اُسے اپنا مسئلہ بتایا۔ اُس نے کہا کہ وہ مجھے بڑے پکے "مُخبر" دے گا۔ بہرحال معین الدین خان کے ساتھ جو باتیں ہوئیں اور اس سلسلے میں جو قواعد و ضوابط کے مطابق کارروائی ہوتی اسے آپ مجھ تک ہی رہنے دیں۔ میں آپ کو کہانی سُنا دیتا ہوں اور یہ بتا دیتا ہوں کہ میں نے دوسرے تھانے کی بجائے اپنے تھانے میں تفتیش جاری رکھی۔ میرے لئے اسی میں سہولت تھی۔

میں نے دوسرے دن گاؤں کے نمبردار کو پیغام بھیجا کہ وہ متّو نام کی عورت کو ساتھ لے کر تھانے آجائے۔

میں نے تھانے کے دوسرے کاموں کی طرف توجہ دی۔ تھوڑی

دیر بعد شفاعت آگیا۔ صرف میں جانتا تھا کہ اس کا نام شفاعت ہے۔ باقی سب اُسے ہندو سادھو سمجھتے تھے۔ وہ بہت پریشان تھا۔ میں سمجھا وہ کوئی نئی خبر لایا ہوگا لیکن وہ اپنا رونا رونے آیا تھا۔

"میری جان خطرے میں پڑ گئی ہے" — اُس نے کہا۔

"کوئی تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے؟"

"میں شاید خود ہی اپنے آپ کو قتل کر دوں گا" — اُس نے کہا — "وہ سب میری جان لینا چاہتے ہیں ... ایک تو وہ مخلوق ہے جس سے میں نے اُلٹا کام کرایا تھا۔ میں نے شکوری کو گھر سے نکلوایا تھا ..."

مجھے غصہ آگیا۔ وہ آخر جرائم پیشہ آدمی تھا۔ میں نے اُسے اپنے مطلب کے لئے دوست بنایا تھا اور مُخبر کے طور پہ اسے استعمال کرنا تھا لیکن وہ میرے سر چڑھتا جا رہا تھا۔

"تم میرا مغز چاٹنے کیوں آگئے ہو؟" — میں نے اُسے کہا — "ایک بار سُن لیا ہے کہ تم نے اُس لڑکی کو اپنے علم کے زور پہ گھر سے نکلوایا تھا۔ بار بار کیوں سُنانے آرہے ہو؟ مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ کوئی خاص بات ہو تو مجھے بتانے آجایا کرو یا میرے بلانے پر آیا کرو۔"

"میری بات سُن لے ملک! میری بات سُن لے!" — اُس نے بڑے پریشان سے لہجے میں کہا — "مجھے حوالات میں بند کر لے، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ایک تو اُسے میرے ساتھ باتیں کرتے دَورہ سا پڑا تھا۔ دوسرا دَورہ اُسے اُس وقت پڑا جب وہ میرے کانسٹیبل کے ساتھ اپنی گُف کو جا رہا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اب اُسے کیا ہوا ہے۔

"رات میں بڑی گہری نیند سویا ہوا تھا" — اُس نے ڈرے ہوئے لہجے میں بتایا — "کسی نے مجھے بڑی زور سے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں اُٹھ بیٹھا۔ مجھے گُف میں اپنے چیلوں کے خراٹے سُنائی دے رہے تھے۔ میرا دل

بڑی زور سے دھڑک رہا تھا۔ گُف کے باہر کسی کا قہقہہ سناتی دیا۔ میں باہر نکلا۔ باہر کوتی بھی نہیں تھا۔ آدھی رات گزر گئی تھی۔ پچھلی رات کا چاند پوری طرح روشن تھا۔ داتیں طرف سے مجھے زور کا دھکہ لگا۔ میں گُف کے دہانے کے کنارے سے جا لگا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جنہوں نے میرے عمل پر کام کیا تھا۔ اب یہ چیزیں مجھے سزا دینے آگئی ہیں۔ میں نے آپ کے پاس بیٹھے ہُوتے انہیں دیکھا تھا۔ دیکھا نہیں، ان کی موجودگی کو محسوس کیا تھا پھر گُف کی طرف آتے ہوتے یہ چیزیں مجھے ڈرانے آگیتں اور رات کو پھر آگیتں۔"

وہ جس مخلوق کا ذکر کر رہا تھا، اسے میں چیزیں کہہ رہا ہُوں۔ وہ انہیں مؤکل بھی کہتا تھا اور کچھ اور نام بھی لیتا تھا۔ مجھے اُس کی اصطلاحیں یاد نہیں رہیں۔ میں اُس کی رام کہانی اپنے الفاظ میں سُنا رہا ہُوں۔

"پیسے کے لالچ نے مجھے مروایا ہے ملک صاحب!"— اُس نے کہا —"ایسے اُلٹے عمل کسی اُستاد کو ہی کرنے چاہیتیں۔ اُستاد کے پاس ان کا توڑ بھی ہوتا ہے۔ میرے ہاتھ میں اب کچھ بھی نہیں۔ چرس اور شراب ہے۔ میں نے باقی رات چرس پیتے گزاری ہے لیکن نہ نیند آتی نہ نشہ ہُوا۔ گُف کے باہر مجھے قہقہے بھی سناتی دیتے رہے اور چیخیں بھی۔ دو مرتبہ ایسے ہُوا کہ میرے سَر پر تھپّڑ پڑا جس سے میرا سَر چکرا گیا۔"

میں کام کاج چھوڑ کر اُس کی بات غور سے سُننے لگا۔ وہ بُری طرح خوفزدہ تھا۔ اُس کی زبان ہکلا جاتی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں جنّات اور چڑیلوں کو مانتا تھا یا نہیں، یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ شخص ڈراؤنے سے ردِ عمل سے گزر رہا تھا۔ میرا علمِ نفسیات کا کچھ مطالعہ تھا۔ اس علم میں مجھے بہت دلچسپی تھی۔ سروس میں اور تفتیش میں نفسیات کے مطالعے نے میری بہت مدد کی ہے۔ میں شفاعت کا یہ ردِ عمل نفسیات کی روشنی میں سُن رہا تھا۔

آٹھ دن کی مُہلت

ایک تو اُسے یہ پُراسرار اور غیر مرئی مخلوق ڈرا رہی تھی، دوسرے اُس پر یہ افتاد پڑی کہ رات اُس نے اس مصیبت میں گزاری اور صبح شکوری کا منگیتر نائک زبیر احمد اُس کی گُف میں جا دھمکا۔

نائک زبیر پکّا فوجی اور اصل غیرت مند تھا۔ وہ شکوری کے پیچھے رَجے رہزن کے ٹھکانے پر جا پہنچا تھا۔ اُس نے مجھ پر بھی رعب جمانے کی کوشش کی تھی۔ اُس کے ماں باپ نے شکوری کے ساتھ کی ہُوتی اُس کی منگنی توڑ دی تھی لیکن زبیر کو یقین ہو گیا کہ شکوری پاک صاف اور مظلوم ہے تو اُس نے اپنے ماں باپ کے فیصلے کی پروا کی تھی نہ اپنی برادری کی نہ اس کی کہ گاؤں کے لوگ کیا کہیں گے۔ اُس نے اعلان کر دیا کہ وہ شکوری کے ساتھ شادی کرے گا۔ اُسے جب تھانے سے پتہ چلا تھا کہ اس سادھو (شفاعت) نے شکوری کو کالے علم کے ذریعے گھر سے نکلوایا ہے تو زبیر نے مجھے کہا تھا کہ اسے باقی عمر جیل میں ہی رکھنا۔ جس روز یہ باہر آتے گا، میرے ہاتھوں قتل ہو جاتے گا۔

شفاعت نے مجھے سُنایا کہ رات بھر اُسے "جن اور چڑیلیں" ڈراتی رہیں اور صبح نائک زبیر جا پہنچا۔ زبیر کو کسی طرح پتہ چل گیا ہو گا کہ سادھو کو تھانے سے چُھٹی مل گئی ہے اور وہ اپنی گُف میں آگیا ہے۔ نائک زبیر لمبی چُھٹی آیا ہُوا تھا۔ اُس زمانے میں فوجیوں کو ہر سال ڈیڑھ مہینہ چھٹی ملا کرتی تھی۔ ہر تیسرے سال تین ماہ کی چھٹی ملتی تھی جسے فرلو FURLOUGH کہتے تھے۔ زبیر فرلو آیا ہُوا تھا۔

"تم نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا تھا"— نائک زبیر نے شفاعت سے کہا —"میں تمہیں ایک رعایت دیتا ہوں۔ دس دن کے اندر اندر یہاں سے

چلے جاؤ۔ اگر نہ گئے تو لوگ یہاں سے تمہاری لاش اُٹھائیں گے۔"

شفاعت نے نانک زبیر کو اپنے پُراسرار علم اور جنات سے ڈرانے کے لئے اپنی اصطلاحوں اور اپنے انداز سے بات کی۔

"میں کوشش کروں گا کہ تم میرے ہاتھوں خراب ہونے سے بچے رہو" — شفاعت نے اُسے کہا — "تم نے دیکھ لیا ہے میں کیا کر سکتا ہوں کیا تم مان نہیں رہے کہ تمہاری منگیتر کو میں نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا؟ کیا تمہیں تھانیدار نے نہیں بتایا تھا کہ تمہاری منگیتر کو اس گوردوارے نے غائب کیا تھا؟ جا، تھانیدار سے پوچھ، اُس نے مجھے گرفتار کیوں نہیں کیا؟ مجھے سزا کیوں نہیں دلائی؟ .... تھانیدار کیا چیز ہے؟ میں نے قانون کو اندھا کر دیا ہے۔ جا، بڑے سے بڑے انگریز افسر کو یہاں لے آ۔ دیکھ لینا، وہ آئے گا مجھے پکڑنے لیکن میرے پاؤں چھُو کر واپس چلا جائے گا۔"

"میں نے تجھے دس دِنوں کی مُہلت دی ہے" — نانک زبیر نے ایسے کہا جیسے اُس نے اِس سادھو کی بات سُنی ہی نہ ہو۔ بولا — "اب آٹھ دِنوں کی مُہلت دیتا ہوں۔ اپنے آپ کو یہاں سے زندہ لے جا۔ تیرے قاتل کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا .... اور سُن کافر کی اولاد! علم جو میرے پاس ہے، اس کے سامنے تیرا جادو نہیں چل سکتا۔ میرے پاس اللہ کا کلام ہے تُو چہ سہی سادھو میرے اللہ کا کیا بگاڑ سکتا ہے" — نانک زبیر جانے کے لئے اُٹھا اور یہ کہہ کر چلا گیا — "آٹھ دن .... آج پہلا دن ہے۔"

شفاعت نے مجھے بتایا کہ نانک زبیر جیسے آدمیوں سے وہ ڈرنے والا نہیں تھا لیکن وہ پہلے ہی ڈرا ہُوا تھا، وہ اور زیادہ ڈر گیا۔

"میں نے اپنے آپ میں ایسی کمزوری محسوس کی جیسے یہ فوجی مجھ پہ اپنا جادو چلا گیا ہے" — شفاعت نے مجھے سنایا — "میں نے اُسے ڈرانے کی کوشش کی تھی لیکن میں خود ڈر رہا تھا"

"مجھے یہ بتاؤ کہ میرے پاس کیا لینے آئے ہو" — میں نے اُس سے پُوچھا — "میں تمہیں اس مخلوق سے تو نہیں بچا سکتا جو تمہیں ڈرانے

آتی ہے" — میں نے ہنستے ہوئے کہا — "نانک زبیر سے بھی میں تمہیں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اُسے میں اُس وقت پکڑوں گا جب وہ تمہیں قتل کر چکے گا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ میں آپ کے پاس کیوں آ گیا ہوں" — اُس نے اُکھڑے ہُوئے سے لہجے میں کہا — "ملک صاحب! میں شاید آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے ایسے نظر آ رہا ہے جیسے میری زندگی ختم ہو چکی ہے۔ اگر اس فوجی نے مجھے قتل نہ کر دیا تو یہ مخلوق مجھے مار ڈالے گی۔"

"تم اپنے اُستاد کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟"

"اُس سے الگ ہُوئے کتنے سال گُزر گئے ہیں" — اُس نے جواب دیا — "ایک بار پتہ چلا تھا کہ وہ اُس جگہ سے کہیں چلا گیا ہے۔"

"کیا تم نانک زبیر کی دھمکی سے ڈر کر یہاں سے چلے جاؤ گے؟"

"نہیں" — اُس نے جواب دیا — "اپنا اڈہ نہیں چھوڑوں گا" — اُس نے ذرا سوچ کر پوچھا — "کیا آپ میری اس رپورٹ پر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے کہ زبیر نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے؟ قانون اُس کے ہاتھ میں تو نہیں کہ وہ ڈرا دھمکا کر مجھے اس علاقے سے نکالنا چاہتا ہے۔"

میں نے اُس کی اِس شکایت پر غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ زبیر کو میں ذرا ڈرا دوں۔ میں نے زبیر کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ قتل کرنے کی ہمت رکھتا تھا، بلکہ مجھے یُوں کہنا چاہیئے کہ وہ اُلٹی عقل کا آدمی تھا۔ مجھے شفاعت کے ساتھ ایسی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ قتل نہ ہو، نہ ہی مجھے نانک زبیر احمد کے ساتھ دلچسپی تھی کہ وہ قتل کرے گا تو اُسے سزائے موت یا عمر قید مل جائے گی۔ میری دلچسپی اپنے آپ سے تھی۔ میرے علاقے میں قتل کی واردات نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ میں اپنے آپ کو ایک اور تفتیش سے بچانا چاہتا تھا۔

میں نے شفاعت سے کہا کہ وہ واپس چلا جائے۔ وہ چلا گیا تو میں نے نانک زبیر کو بلا لانے کے لئے ایک کانسٹیبل کو بھیجا۔

سادھو ہندو عورتوں کو خراب کرتا ہے

ممتاز کے گاؤں کے نمبردار اور متو نام کی عورت کو تھانے لانے کے لئے ایک کانسٹیبل کو بھیج رکھا تھا۔ وہ گاؤں دُور تھا۔ زبیر کا گاؤں قریب تھا۔ میں دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا۔

قصبے کے دو "معززنہ" ہندو آگئے۔ یہ وہی تھے جو اُس وقت میرے پاس آئے تھے جب میں نے شفاعت کو اصلی سادھو سمجھ کر مشتبہ کے طور پر تھانے بلایا تھا۔ اُنہوں نے مجھے کہا تھا کہ سادھوؤں کو وہ مقدس سمجھتے ہیں اور میں نے ایک سادھو کو تھانے میں بٹھا لیا ہے۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے میں اپنے مذہب کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتا، یہ تو ایک سادھو ہے۔ اتنے میں شفاعت سادھو نے چرس کے نشے سے ٹوٹا ہُوا ہونے کی وجہ سے ننگی گالیاں بکنی شروع کر دی تھیں۔ ان ہندوؤں نے گالیاں سُن کر مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ کون ہے، یہ تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ آپ کے سادھو مہاراج ہیں اور چرس مانگ رہے ہیں۔ دونوں ہندو کھسیانے سے ہو کر چلے گئے تھے۔ اب اتنے دنوں بعد وہ پھر آگئے۔ میں نے انہیں احترام سے بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کیوں آتے ہیں۔

"یہ جو سادھو مہاراج آپ کے پاس تھانے میں رہے ہیں، ان کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہے" — ایک ہندو نے کہا۔

"میں ان کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں" — میں نے کہا — "یہ تو آپ کے سادھو مہاراج ہیں .... آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"مخبر آپ کے بھی ہوتے ہیں" — اس ہندو نے کہا — "مخبر ہمارے

بھی ہیں .... ہمیں پتہ چلا ہے کہ یہ سادھو اصل میں سادھو نہیں۔ کوئی نوسرباز ہے۔"

"کس نے یہ خبر دی ہے؟"

"بنارس اور ہردوار میں کئی بار سادھو پکڑے گئے ہیں جو مسلمان تھے" — دوسرے ہندو نے کہا — "مسلمان اور سکھ بھی سادھوؤں کا بہروپ دھار کر ہندو عورتوں سے پیسے بھی لیتے ہیں اور انہیں خراب بھی کرتے ہیں۔ ان کی عزت کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ ہمیں شک ہے کہ یہ سادھو بھی بہروپیا بدمعاش ہے۔ آپ نے اسے کسی شک میں تھانے بلایا ہوگا۔ اگر آپ اس کی اصلیت سے واقف ہو گئے ہیں تو ہمیں بتا دیں۔ اس کے اڈے پر ہماری عورتیں جاتی ہیں۔"

مجھے اچانک ایک سوچ آگئی۔ وہ یہ کہ میں ان کی عورتوں کی عزت بچانے کا تردد کیوں کروں؟

"نہیں لالہ جی!" — میں نے ان ہندوؤں سے کہا — "میں نے آپ کے گورو مہاراج کو کسی شک میں تھانے نہیں بلایا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک مسلمان لڑکی (شکوری) لاپتہ ہوگئی تھی۔ جوان لڑکی یا لڑکے کو تلاش کرنا آسان تو نہیں ہوتا۔ تھانے میں مجھے کسی نے بتایا کہ یہاں ایک سادھو رہتا ہے جس کے پاس کوئی علم ہے۔ اس سے وہ بتا دیتا ہے کہ گمشدہ فرد کہاں ہے۔ میں نے سادھو مہاراج کی منت کی کہ گمشدہ لڑکی کا اتا پتہ بتا دیں۔ اُنہوں نے اپنا عمل چلا کر معلوم کر لیا کہ لڑکی کہاں ہے۔ آپ مسلمانوں کے محلے میں جا کر دیکھیں۔ وہ لڑکی واپس آگئی ہے۔ آپ کسی وہم میں نہ پڑیں۔ یہ سادھو مہاراج صحیح سادھو اور تارک الدنیا ہیں اور ان کے ہاتھ میں بڑی طاقت ہے۔"

یہاں میں آپ کو ہندو سادھوؤں اور ہندو عورتوں کے متعلق ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ ہندوؤں کی اکثر جوان عورتیں ان سادھوؤں کے پاس جایا کرتی تھیں اور انہیں اپنا جسم پیش کرتی تھیں۔ ایک تو

اِسے وہ اپنا بلیدان (نذرانہ یا قربانی) سمجھتی تھیں، دوسری وجہ یہ تھی کہ ہندوؤں کا پیشہ تجارت اور دکانداری تھا۔ وہ فطری طور پر کاروباری تھے۔ ان کا پیار پیسے سے تھا۔ کنجوسی اِن کی فطرت میں تھی۔ زندہ دِلی نام کو نہیں تھی۔ ان کے جسم موٹے، بھدے اور پلپلے تھے۔ دکانوں پر بیٹھ بیٹھ کر ان کے پیٹ بڑھ آتے تھے۔

ان کے مقابلے میں ان کی عورتیں، خصوصاً جوان لڑکیاں خوبصورت، نیز طرار اور جسمانی لحاظ سے دلکش تھیں۔ ان کے موٹے، بھدے اور مُردہ دل خاوند نہ انہیں دِلی تسکین دے سکتے تھے نہ جسمانی، اس لئے یہ عورتیں اِن سادھوؤں کے پاس جایا کرتی تھیں۔ ان میں شرم وحیا نہیں تھی۔ اِن کے خاوند سب کچھ جانتے ہوتے بھی چُپ رہتے تھے، لیکن وہ یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ اُن کی عورتیں مسلمانوں کے ساتھ ناجائز تعلق رکھیں۔

یہ دو ہندو یہی غم لے کر آتے تھے کہ یہ سادھو مسلمان بہروپیا ہے اور ہندو عورتیں ناپاک ہو رہی ہیں۔ میں نے جھوٹ بول کر اِن کی تسلی کر دی۔

دونوں ہندو چلے گئے لیکن میں خوش نہ ہُوا۔ تھانے میں کوئی اُن کا مُخبر تھا جس نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہ شخص سادھو نہیں سادھو بنا ہُوا ہے۔ البتہ اس کی مجھے ضرور خوشی ہوتی کہ میں نے ان ہندوؤں کو گمراہ کر دیا تھا۔ میں شفاعت کو ان سے نہیں بچا رہا تھا، میں چاہتا یہ تھا کہ ان ہندوؤں کی عورتیں اس سادھو کے پاس جاتی رہیں۔

شاید بعض حضرات میری اس حرکت کو پسند نہیں کریں گے لیکن میں ہی جانتا ہوں کہ ہندو کس قدر کمینی قوم ہے اور مسلمانوں کو یہ کیسے کیسے گھٹیا طریقوں سے نقصان پہنچایا کرتے تھے۔

مجھے علی رضا کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس نے اپنے کئے کی سزا پائی تھی۔ میں اپنی دلچسپی کی خاطر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔ کچھ دن پہلے اُسے ہسپتال لے گئے تھے۔ میں پہلے سُنا چکا ہوں کہ رُخسے رہزن نے اُس کو کس حال تک پہنچا دیا تھا۔ میں ویسے ہی سرکاری

ہسپتال چلا گیا۔ ڈاکٹر کے ساتھ گپ شپ لگا کر علی رضا کے متعلق پوچھا۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ اُس نے علی رضا کو صرف ایک دن اور ایک رات ہسپتال میں رکھا تھا۔ اگلے روز اُسے دوائیاں دے کر گھر بھیج دیا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ جس کسی کی قید میں رہا تھا، اُس نے اسے بالکل بھوکا رکھا تھا۔ علی رضا نے ڈاکٹر کو بتایا تھا کہ اُسے صرف پانی پلایا جاتا تھا۔ اُسے شک تھا کہ پانی میں کچھ ملا ہُوا ہوتا تھا۔ ڈاکٹر نے یہ بھی بتایا کہ اسے اذیتیں دی جاتی رہی ہیں۔ ان سے اُس کے دماغ پر بھی اثر تھا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ اُس کا دماغ صحیح نہیں ہو سکے گا۔ دن میں تین چار مرتبہ اُسے ایسا دَورہ پڑتا تھا کہ قہقہے لگاتا تھا، پھر بچوں کی طرح رونے لگتا تھا۔ اس میں کچھ جسمانی نقص بھی پیدا ہو گیا تھا۔

میں جب ہسپتال سے واپس آیا تو نائک زبیر احمد کو تھانے میں آئے آٹھ دس منٹ ہو گئے تھے۔ میں اُسے اپنے دفتر میں لے گیا۔

"شادی کب کر رہے ہو زبیر؟" — میں نے پوچھا۔

"چار روز بعد" — اُس نے جواب دیا — "دن مقرر ہو گیا ہے.... آپ کو بلاؤں تو آپ آئیں گے؟"

"نہیں زبیر!" — میں نے کہا — "میرا آنا ٹھیک نہیں.... اور سنو زبیر بھائی! شادی کرو اور مزے سے زندگی بسر کرو۔ کسی کو قتل کی دھمکی دینا جُرم ہے۔"

"کیا وہ سادھو آپ کے پاس شکایت لے کر آیا تھا؟" — اُس نے پوچھا۔

"ہاں" — میں نے جواب دیا — "وہ شکایت لے کر آیا تھا۔ وہ تو باقاعدہ رپورٹ درج کرانا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے بہلا پھسلا کر بھیج دیا ہے۔ اگر میں رپورٹ درج کر لیتا تو میں تم سے ضمانت مانگتا۔ تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری عزت بچ گئی ہے۔"

"اگر آپ ضمانت مانگیں گے تو بھی میں اُسے قتل کر سکتا ہوں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میں سچی بات کہنے والا آدمی ہوں جناب! میں آپ کے کہنے پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا لیکن میرا دماغ بگڑ گیا تو سادھو کی خیر نہیں .... آپ کیسے مسلمان ہیں؟ ایک ہندو نے ایک مسلمان لڑکی کو غیر مردوں تک پہنچا دیا تھا۔ آپ میری جگہ ہوتے تو کیا برداشت کر لیتے؟ اُس کی موت میرے ہاتھوں لکھی گئی ہے۔"

"وہ سزا بھگت رہا ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ رُحمے رہزن نے تمہیں کہا تھا کہ سادھو پر اپنے ہی عمل کا اُلٹا اثر شروع ہو چکا ہے۔"

میں نے اُسے پوری تفصیل سے سُنایا کہ سادھو کا کیا حال ہو رہا ہے۔

"وہ ہو گا"۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ "اگر وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں اُسے انجام تک پہنچاؤں گا .... میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے رُحمے نے یہی باتیں بتاتی تھیں لیکن میں نے اُس وقت پوری توجہ نہیں دی تھی۔ مجھے میری بہن اور ماں بتاتی ہیں کہ میری منگیتر (شکوری) اللہ اللہ کرتی رہتی ہے۔ پہلے بھی مذہب کی پوری پابندی کرتی تھی، اب پہلے سے زیادہ کرتی ہے۔ لوگوں کی زبانیں بند نہیں کی جا سکتیں۔ جس کے مُنہ میں جو آتا ہے وہ بکتا ہے۔ دو آدمیوں کے ساتھ میری لڑائی بھی ہوتی ہے۔ شکوری نے مجھے دو تین بار پیغام بھیجا ہے کہ میرے ساتھ جس نے یہ ذلیل حرکت کی ہے اُسے خدا سزا دے گا، تم لوگوں کے گلے نہ پڑو۔ اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں کسی کو بددعا نہیں دوں گی لیکن مجھے معلوم ہے کہ خدا انہیں بخشنے گا نہیں ....

"علی رضا کی حالت کبھی آکر دیکھنا۔ کل گندگی کے ڈھیر پر بیٹھا ہاتھوں سے گندگی اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر پھینک رہا تھا۔ اُس کا باپ اُسے اُٹھا کر گھر لے گیا۔ علی رضا انسان کو انسان نہیں سمجھا کرتا تھا۔ وہ خوبصورت

عورتوں کا شکاری تھا۔ اب اُس کی داڑھی بڑھی ہوتی ہے۔ کپڑے میلے کچیلے پہنے رکھتا ہے۔ کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے .... سادھو کی حالت آپ خود بتا رہے ہیں۔"

میں نے نائک زبیر احمد کو ایک بار پھر کہا کہ وہ کسی سے نہ لڑے نہ کسی کو دھمکیاں دے، لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

"جنابِ عالی!"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "مجھے جب خیال آتا ہے کہ سادھو یہاں قریب موجود ہے تو میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا، اسی لئے میں نے اُسے کہا ہے کہ وہ یہاں سے چلا جاتے۔ آپ اُسے کہیں وہ چلا جائے۔"

نائک زبیر جب جانے لگا تو اُس نے اکھڑ فوجی کی طرح کہا۔۔۔ "اُسے وہاں سے اُٹھا دیں۔ اُس نے جادو چلایا ہے، میں کچھ اور چلاؤں گا۔"

منگیتر نے قتل کیا تھا؟

ممتاز کے گاؤں کا نمبردار متو کو ساتھ لے کر آ گیا۔ میں نے پہلے نمبردار کو اپنے پاس بٹھایا اور اُسے کہا کہ ممتاز کی گمشدگی کے متعلق کچھ بتائے۔

"لڑکی ایسی نہیں تھی"۔۔۔ اس ہندو نمبردار نے کہا۔۔۔ "منوّر نام کا ایک آدمی ہے جسے وہ چاہتی تھی لیکن ممتاز اور منوّر کو کہیں ملتے ملاتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ممتاز کی ماں اور ممتاز منوّر کے گھر جاتی تھیں۔"

منوّر وہی آدمی تھا جسے ممتاز چاہتی تھی اور ماں سے کہتی تھی کہ وہ منوّر کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔

"کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ممتاز کو منوّر نے گھر سے نکلوایا ہو؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ منوّر نے اُسے نہیں نکلوایا"۔۔۔ نمبردار نے جواب

دیا — "وہ تو بیمار پڑا ہے۔ اب اچھا ہو گیا ہے" — نمبردار نے پوچھا — "اُڑتی اُڑتی سُنی ہے کہ ممتاز کی کہیں سے لاش ملی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟"

"ہاں، یہ صحیح ہے" — میں نے کہا — "مجھے ایک بات معلوم کرنی ہے۔ ممتاز منور کو چاہتی تھی اور ممتاز کی منگنی کسی اور سے کر دی گئی تھی۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ دلیر لڑکیاں اپنے منگیتروں کو پیغام بھجوا دیتی ہیں کہ وہ انہیں قبول نہیں کریں گی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ممتاز نے اپنے منگیتر کو ایسا ہی پیغام بھجوا دیا ہو اور منگیتر نے اُسے قتل کر دیا ہو؟"

"میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا" — نمبردار نے کہا — "آپ نے جس عورت کو بلایا ہے، یہ آپ کو راز کی بہت سی باتیں بتا دے گی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ نے کیوں بلایا ہے۔ پہلے معلوم ہوتا تو میں کچھ معلوم کر کے آتا۔"

"ممتاز کے بھائی، فیروز اور اقبال کیسے ہیں؟"

"امیر باپ کے بیٹے ہیں" — نمبردار نے جواب دیا — "ذات بھی اُونچی ہے۔ اپنا رُعب داب رکھتے ہیں۔ کوئی اونچی بات کرے تو اُس کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے ہیں۔ صرف ماں ہے جس سے ڈرتے ہیں۔ منور کے ساتھ ممتاز کی شادی ہو سکتی تھی لیکن ماں نے نہیں ہونے دی۔"

"وہ تو پتہ چلا ہے کہ منور کی ذات اِن لوگوں سے کمتر تھی" — میں نے کہا۔

"بالکل غلط ہے جی!" — نمبردار نے کہا — "ایک ہی ذات ہے۔ ایک ہی برادری ہے۔ منور کا خاندان بھی بڑی زمینداری والا خاندان ہے۔ منور اُس آدمی سے زیادہ خوبصورت جوان ہے جس کے ساتھ ممتاز کی منگنی ہوئی ہے۔"

"تم کہتے ہو کہ ممتاز کے بھائی بڑے رعب داب والے ہیں" — میں نے کہا — "پھر منور اُن سے کس طرح بچا رہا؟ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اُن کی بہن منور کو چاہتی ہے اور اُس سے کہیں ملتی ملاتی بھی ہو گی۔"

"میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں" — نمبردار نے کہا — "ممتاز کی ماں منور کو بہت چاہتی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو بُرا بھلا کہہ لیتی ہے منور کے خلاف کوئی بات نہیں کرتی۔ اُس نے اپنے بیٹوں سے بھی کہہ رکھا ہے کہ منور اچھا آدمی ہے، اپنی بیٹی اُسے خراب کر رہی ہے .... اس میں کوئی شک نہیں کہ منور امیر خاندان کا بیٹا ہوتے ہُوئے شریف لڑکا ہے۔"

میں نے مَتّو سے پوچھ گچھ زیادہ بہتر سمجھی۔ نمبردار کو باہر بھیجا اور متّو کو بلا لیا۔ میرے ذہن میں یہ بات اٹک گئی تھی کہ ممتاز کی ماں نے کہا تھا کہ منور کی ذات اُن سے چھوٹی تھی۔ اِس عورت نے ایسا کیوں کہا تھا؟

مَتّو اندر آئی تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ مجھے جو کچھ بھی بتائے گی وہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا اور اُسے انعام بھی دلاؤں گا۔ ایسی عورتیں گھبراہٹ کی دراصل ایکٹنگ کیا کرتی ہیں۔ ان کی چالاکی تک کوئی عام آدمی نہیں پہنچ سکتا۔ ایسی عورتوں کے متعلق میں کئی کہانیوں میں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اُس کی باتوں سے پتہ چلا کہ نمبردار کی خاص عورت ہے۔ متّو کی عمر چالیس سال سے کچھ کم تھی۔ صاف ستھرے رنگ کی اور بڑے اچھے چہرے مُہرے والی عورت تھی۔ قد اور جسم بھی دل کو اچھا لگتا تھا۔

"تم کچھ بتا سکتی ہو کہ ممتاز کس کے ساتھ گئی ہے؟" — میں نے پوچھا — "اُس کا دوستانہ تو منور کے ساتھ تھا۔"

"منور کے سوا اُس کا دوستانہ کسی اور کے ساتھ نہیں تھا" — متّو نے جواب دیا — "منور نے اُسے گھر سے نہیں نکالا۔ وہ بڑی اچھی سوچ سمجھ والا آدمی ہے۔ ممتاز چال چلن کی خراب نہیں تھی۔"

"منور کے ساتھ اُس کی ملاقاتیں ہوتی ہوں گی۔"

"کبھی کبھی" — متّو نے کہا — "لیکن اوچھوں کی طرح نہیں۔ کبھی کھیتوں میں دو چار منٹ کے لئے اکٹھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ممتاز منور

کے گھر جایا کرتی تھی اور کبھی کبھی وہاں تھوڑی دیر کے لئے ان کی ملاقات ہو جاتی تھی۔ ان کی باقی ملاقاتیں میری زبانی ہوتی تھیں۔"

"ایک دوسرے کو کیا پیغام بھیجتے تھے؟"

"سلام دعا" — متو نے جواب دیا — "اور خیر خیریت، یا منور پیغام دیتا تھا کہ فلاں وقت وہ گھر میں اکیلا ہوگا۔ ممتاز کا پیغام یہ ہوتا تھا کہ وہ منگنی کو قبول نہیں کر رہی اور تم بھی کوشش کرو۔ ممتاز کے گلے میں سونے کا بنا ہوا پان کا پتا بندھا رہتا تھا۔ یہ چھوٹا سا تھا اور بڑا خوبصورت تھا۔ یہ اُسے ماں نے بنوا کر دیا تھا۔ ایک روز منور نے یہ پتا ممتاز سے منگوایا تھا۔ میں ہی لائی تھی۔ منور نے یہ پتا پیر صاحب سے دم کرا کے ممتاز کو واپس کر دیا تھا۔ کہتا تھا کہ اس سے اُن کی شادی ہو جائے گی۔"

سونے کا یہ پتا میرے پاس تھا۔ یہ اُس جگہ سے ملا تھا جہاں سے لاش برآمد ہوئی تھی۔ یہ مٹی میں دبا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے بعض حضرات سوچتے ہوں کہ لاش کی کچھ چیزیں بعد میں ملی تھیں۔ مثلاً شفاعت کو ایک مُرکی ملی تھی، مجھے یہ پتا مل گیا ہے۔ یہ چیزیں اُس وقت کیوں نہ ملیں جب لاش برآمد ہوئی تھی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ لاش تیز بارش نے ننگی کی تھی اور اسے گیدڑ، بھیڑیئے اور دن کو گِدھ گھسیٹتے اور کھاتے رہے تھے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی چیزیں گیلی مٹی میں دب گئیں۔ لاش اٹھانے والوں پر لاش کی حالت نے خوف طاری کر دیا ہوگا جو عموماً ہوتا ہے۔ اکثر لوگ لاش کی کوئی چیز ڈھونڈنے کو لاش کی چوری سمجھتے ہیں اس لئے کسی نے مٹی کی تلاشی لینے کی جرأت ہی نہیں کی۔

میں نے سونے کا یہ پتا متو کو دکھا کر پوچھا کہ یہی تھا؟ متو کے چہرے پر حیرت آ گئی اور اُس نے آہستہ آہستہ ہاتھ آگے بڑھا کر میرے ہاتھ سے پتا لے لیا۔ اسے بڑی غور سے دیکھا پھر میرے مُنہ کی طرف دیکھا۔

"یہ آپ کے پاس کس طرح آیا ہے؟" — مُتو نے پوچھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ ممتاز کا ہے؟"

"سولہ آنے یقین ہے جی!" — متو نے کہا — "اُس کی ماں نے خاص طور پر سُنار سے بنوایا تھا اور رنگ ممتاز نے اپنی پسند کے لگواتے تھے.... آپ کو کیسے ملا؟"

"اُس کی لاش سے!"

"لاش سے؟" — ممتاز بدک کر آگے ہو گئی — "کس کی لاش سے؟"

"ممتاز زندہ نہیں" — میں نے کہا۔

مُتو میرے مُنہ کی طرف دیکھتی رہی اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں چوری چھپے کی ملاقاتیں کراتی رہتی ہوں" — متو نے کہا — "وہ گندی ملاقاتیں ہوتی ہیں لیکن ممتاز اور منور کی محبت گندی نہیں تھی۔ قسم ہے مجھے روزی دینے والے کی، اس لڑکی کے ساتھ مجھے ماؤں والا پیار تھا.... لاش کہاں سے ملی تھی؟ لاش گاؤں میں کیوں نہیں آئی؟"

"لاش کو کوئی پہچان نہیں سکا" — میں نے اُسے اس سے زیادہ کچھ نہ بتایا اور پوچھا — "ممتاز اتنے دنوں سے غائب ہے۔ تم نے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟ منور نے تم سے اُس کی خیر خیریت پوچھی ہو گی؟"

"میں نے تین مرتبہ اُس کی ماں سے پوچھا تھا" — متو نے کہا — "تینوں بار ماں نے کہا کہ اُس کا سر دُکھ رہا ہے، اندر سوئی ہوئی ہے.... منور کو میں یہی بتاتی رہی۔ تیسری مرتبہ منور کو بتایا کہ ممتاز کا سر دُکھ رہا ہے اور وہ مجھے نہیں مل سکی تو منور نے کہا کہ اُس کی ماں بکواس کرتی ہے۔ ممتاز کو اُس نے اور بھائیوں نے قید کر لیا ہے۔ اب اُسے زبردستی ڈولی میں بٹھا کر گھر سے نکالیں گے۔"

"ماں پریشان نظر نہیں آتی تھی؟" — میں نے پوچھا۔
منّو سوچ میں پڑ گئی پھر بولی — "ہاں، پریشان تو نظر آتی تھی۔ میں سمجھتی تھی شاید اُسے میرا اُس کے گھر میں آنا پسند نہیں تھا۔"

چوبیس سال کا لڑکا چالیس سالہ عورت

"منّور کی ذات ممتاز کی ذات سے نہیں ملتی تھی؟"
"کیوں نہیں ملتی تھی!" — منّو نے جواب دیا — "ایک ہی ذات ہے" — منّو چُپ ہو گئی اور اُس کے ہونٹوں پہ ایسی مسکراہٹ آگئی جو کچھ اور ہی قسم کی تھی۔ اُس نے دو چار سیکنڈ میرے مُنہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی — "آپ اگر یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ممتاز کا رشتہ منّور کو کیوں نہ دیا گیا تو اس کا جواب میرے سوا کوئی نہیں دے سکتا .... ممتاز کی ماں نے منّور کو اپنا درپردہ خاوند بنا رکھا ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے منّو نے میرے مُنہ پر تھپڑ جڑ دیا ہو۔ تھانیدار کسی بھی بات پر اس طرح نہیں چونکا کرتے۔ تھانیداروں کے سامنے ایسے ایسے واقعات اور ایسی ایسی وارداتیں آتی ہیں جنہیں پولیس کے سوا کوئی بھی سچ نہیں مان سکتا۔ میں نے اپنی آنکھوں ناقابلِ یقین واقعات دیکھے ہیں لیکن منّو نے جو انکشاف کیا اس نے مجھے ہلا کے رکھ دیا۔
"منّو!" — میں نے کہا — "اگر تمہارے دل میں ممتاز کی ماں کے خلاف کوئی دشمنی ہے تو وہ کسی اور طریقے سے پوری کرو۔ مجھے وہ باتیں بتاؤ جو بالکل سچی ہوں۔"
"جی میں سچ بول رہی ہوں" — اُس نے کہا — "یہ راز کسی اور کو معلوم نہیں۔ مجھے اس طرح معلوم ہُوا کہ ممتاز کی ماں کا یہ سلسلہ میرے بغیر نہیں چل سکتا تھا۔"
"اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منّور بدمعاش آدمی ہے"

— میں نے کہا۔
"میں غریب آپ کی بات کو کیسے رَد کر سکتی ہوں" — منّو نے کہا — "مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں گی کہ منّور پھر بھی بدمعاش نہیں۔ وہ اور کوئی بدمعاشی نہیں کرتا .... میں آپ کو ایک اور بات بتاتی ہوں۔ منّور نے ممتاز کی ماں سے ملنے کی کبھی بھی خواہش ظاہر نہیں کی۔ منّور پر ممتاز کی ماں کا حکم چلتا ہے۔ ایسا بھی ہُوا ہے کہ ممتاز کی ماں نے منّور کو کسی جگہ پہنچنے کے لئے مجھے پیغام دیا۔ میں منّور کے پاس گئی تو منّور نے کہا کہ اُسے کہنا کہ منّور نہیں ملا۔"
مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ممتاز کی ماں اور منّور کہاں اور کس طرح ملتے ہیں نہ ہی یہ میرے لئے کوئی عجوبہ تھا کہ تئیس چوبیس سال کے نوجوان کے تعلقات چالیس سال کی عمر کی عورت کے ساتھ تھے۔ میرا مسئلہ یہ تھا کہ ممتاز کو قتل کس نے کیا ہے۔ کیا ایسا ہُوا ہو گا کہ ممتاز کو اپنی ماں کی کرتُوت کا علم ہو گیا اور ممتاز نے ماں کا راز فاش کرنے کی دھمکی دی اور ماں نے ممتاز کو قتل کرا دیا؟
"یہ وجہ تھی کہ ماں نے ممتاز کا رشتہ منّور کو نہیں دیا تھا" — منّو نے کہا — "ممتاز کے بھائی اتنے مُنہ زور اور لٹھ باز ہیں کہ منّور کو وہ اس بات پر اوندھا کر دیتے کہ اُن کی بہن اس کی خاطر کسی دوسرے آدمی کی بیوی بننا ہی نہیں چاہتی لیکن ممتاز کی ماں نے اپنے بیٹوں کے دماغ میں ڈال رکھا تھا کہ منّور نیک لڑکا ہے۔"
"کیا یہ صحیح ہے کہ منّور نے ممتاز سے کہہ دیا تھا کہ وہ اُسے دل سے اُتار دے؟"
"منّور کا یہ پیغام میں ممتاز کے پاس لے گئی تھی" — منّو نے جواب دیا — "ممتاز بہت روئی تھی۔ اُس نے مجھے کہا تھا کہ منّور سے کہنا کہ ایک بار ملو لیکن منّور نے ملنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔"
منّو کے ساتھ میری بہت باتیں ہوئیں۔ باتوں باتوں میں اس نے

بتایا کہ ممتاز نے اُسے دو بار کہا تھا کہ اُس کی زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ بھائیوں نے اُسے کہا تھا کہ وہ اپنا دماغ درست کر لے، نہیں تو اُن کے ہاتھوں ماری جائے گی۔ بڑے بھائی کے ساتھ تو اُس کی بول چال بھی بند تھی۔

میں نے منتو سے کہا کہ وہ کسی کو پتہ نہ چلنے دے کہ میرے ساتھ اُس کی کیا باتیں ہوتی ہیں۔ منتو کو باہر نکال کر نمبردار کو بلایا اور اُسے کچھ باتیں بتائیں۔ اُسے میں نے مخبری کی ڈیوٹی دی تھی۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ کل صبح منوّر کو تھانے لے آنا لیکن اُسے اس کیس کے متعلق کچھ نہ بتانا۔ پھر میں نے منتو اور نمبردار کو جانے کی اجازت دے دی۔

تھانے کے کاموں میں گُم ہو جاؤ تو دن اور رات گزرتے دیر نہیں لگتی۔ اگلا دن طلوع ہوا تو نمبردار کے ساتھ منوّر آ گیا۔ مجھے پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ اُسے زہریلے محلول سے لکھا ہوا تعویذ پانی میں گھول کر پلایا گیا ہے۔ شفاعت کی جڑی بوٹیوں سے زہر کا اثر ختم ہو گیا تھا لیکن اُس کے چہرے پر کمزوری کے اثرات صاف نظر آتے تھے۔ چہرے پر پیلاہٹ تھی۔ اس کے باوجود وہ خوبصورت جوان لگتا تھا۔ اس کی خوبصورتی میں مردانگی تھی یعنی اُس کا حُسن مردانہ تھا۔ وہ اپنی گھوڑی پر آیا تھا۔

میں نے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا اور پوچھا کہ وہ اگر زیادہ کمزوری اور تھکن محسوس کر رہا ہو تو اُسے چارپائی پر لٹا دوں۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا کہ مجھے وہ تھانیدار نہ سمجھے۔ اُس نے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔

"ممتاز کے متعلق کچھ پتہ چلا ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"کل شام پتہ چلا ہے کہ ممتاز کی لاش ملی ہے" — منوّر نے جواب دیا — "میں اُن کے گھر گیا تھا۔ وہاں باقاعدہ ماتم ہو رہا تھا .... سُنا ہے لاش دُور سے ملی ہے۔"

"سُنا ہے ممتاز تمہیں چاہتی تھی" — میں نے کہا — "اور وہ منگنی تمہاری خاطر تڑوانا چاہتی تھی۔"

"آپ نے ٹھیک سُنا ہے" — اُس نے کہا۔

"تمہارے ماں باپ نے ممتاز کا رشتہ مانگا تھا؟"

"ماں تو میری ہے ہی نہیں" — اُس نے جواب دیا — "میرے باپ کو ایک اور گھر پسند تھا۔ میری دو بڑی بہنیں ہیں۔ دونوں شادی شدہ ہیں۔ انہوں نے ممتاز کی ماں سے رشتہ مانگا تھا لیکن اُس نے نہ کر دی تھی۔"

"ممتاز کی ماں تمہیں پسند نہیں کرتی تھی؟"

"پسند تو کرتی تھی لیکن ...." وہ چُپ ہو گیا اور اُس نے سر جھکا لیا۔

"منوّر!" — میں نے اُسے کہا — "اصل وجہ بتا دو۔ مجھے معلوم ہے وہ تمہیں رشتہ کیوں نہیں دے رہی تھی۔ ممتاز کی ماں کے ساتھ تمہارا جو تعلق تھا وہ قانون کی نظر میں جرم نہیں۔ اگر یہ جُرم ہے تو میں تمہیں گرفتار نہیں کروں گا۔ میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ممتاز کس طرح مری ہے اور اُس کی لاش اتنی دُور کس طرح پہنچی ہے۔"

اُس نے وہی بیان دیا جو میں آپ کو دوسروں کی زبانی سُنا چکا ہوں۔ اُس نے کچھ بھی نہ چھپایا۔

"ممتاز کے بھائیوں نے تم سے پوچھا تھا یا تمہیں بتایا تھا کہ ممتاز کہیں چلی گئی ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"نہ جی!" — منوّر نے جواب دیا — "ممتاز کی ماں نے مجھے بعد میں بتایا تھا۔ اس سے پہلے مجھے منتو نے بتایا تھا کہ ممتاز کہیں نظر نہیں آتی اور اُس کی ماں کہتی ہے کہ اُس کا سر دُکھ رہا ہے اور وہ اندر سوتی ہوتی ہے۔"

"تمہیں کوئی شک نہیں ہوا تھا؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں اُس کے چہرے سے جان گیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن ڈرتا ہے۔ میں نے اُس کی حوصلہ افزائی کی تو اُس

نے بات کی۔

پاک محبت تھی

"میں ایک بات کہنا نہیں چاہتا تھا" — منور نے کہا — "لیکن ممتاز یاد آتی ہے تو میری حالت بہت بُری ہو جاتی ہے۔ میں کوئی گواہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا، صاف بات یہ ہے کہ ممتاز کو اُس کے بھائیوں نے قتل کیا ہے!"

"تمہیں یہ شک کس طرح ہُوا ہے؟"

"میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میں نے ممتاز کو جواب دے دیا تھا" — منور نے جواب دیا — "اُس نے کہا تھا کہ ایک بار ملو۔ میں ممتاز کے بھائیوں سے نہیں ڈرا تھا۔ مجھے اچانک ایک تکلیف ہو گئی تھی۔ میں تو مرتے مرتے بچا ہوں۔ میرا دوست علی رضا مجھے ایک سادھو کے پاس لے گیا تھا۔ سادھو نے مجھے کہا تھا کہ جس لڑکی کو تم نے دل میں بٹھا رکھا ہے، اُسے دل سے نکال دو ورنہ مارے جاؤ گے کیونکہ اُس کا اور تمہارا ستارہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ سادھو نے مجھے ایک دوائی دی تھی اور کاغذ پر تعویذ کی طرح کچھ لکھ کر بھی دیا تھا۔ بیماری ایسی تھی جو مجھے اندر سے کھا گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ممتاز تو مجھے مل نہیں سکتی۔ میں نے اُسے جواب دے دیا....

"ایک روز ممتاز کی ماں اور اُس کا باپ کسی گاؤں شادی پہ چلے گئے۔ ممتاز میرے گھر آئی۔ گھر میں صرف نوکرانی تھی۔ ممتاز مجھے یہ کہہ کر چلی گئی کہ رات کو وہ باہر آئے گی اور میں بھی آ جاؤں۔ میں اُسے کہہ نہ سکا کہ میں نہیں آؤں گا۔ مجھے جگہ معلوم تھی جہاں اُسے آنا تھا۔ میں وہاں چلا گیا۔ میں اُسے کہنا چاہتا تھا کہ ہم اپنی اپنی قسمت کو قبول کر لیتے ہیں...

"ممتاز آگئی۔ وہ روئی زیادہ اور بولی بہت کم۔ اُس نے بتایا کہ وہ ایک سہیلی کے گھر جانے کا بہانہ کر کے آئی ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ

بڑے بھائی کے ساتھ اُس کی بول چال بند ہے۔ آج جب اُس کے ماں باپ شادی پہ چلے گئے تو بڑے بھائی نے ممتاز سے کہا کہ وہ باز آ جاتے، نہیں تو مرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ ممتاز نے اُسے کہا کہ تم میرے خدا نہیں ہو، میں تمہارا حکم نہیں مانوں گی....

"شام کے بعد وہ اپنے بھائی کو یہ کہہ کر گھر سے نکل آئی کہ فلاں سہیلی کے گھر جا رہی ہے۔ اُس نے بھائی سے اجازت نہ لی۔ اُس نے چھ سات روز پہلے مجھے کہا تھا — 'میرا دل کہتا ہے کہ میری زندگی ختم ہو گئی ہے' — اب آخری ملاقات میں اُس نے کہا — 'میں بھائی کو للکار کر آئی ہوں۔ تم میرے بھائیوں کو جانتے ہو۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں سہیلی کے گھر نہیں گئی تھی تو صبح تم مجھے زندہ نہیں دیکھو گے۔ اگر میری لاش گاؤں سے باہر کہیں پڑی ہوئی ملی تو سب کو بتا دینا کہ اسے اس کے بھائیوں نے قتل کیا ہے'....

"پھر اُس نے دوسری باتیں شروع کر دیں۔ وہ مجھے بار بار کہتی تھی کہ میں کسی پیر یا کسی عامل یا پہنچ والے کسی بزرگ کے پاس جاؤں اور کوئی ایسا تعویذ لاؤں جس کے اثر سے میری منگنی ٹوٹ جاتے اور میرا رشتہ تمہیں مل جاتے.... اُس نے میری بیماری دیکھی تھی۔ وہ مجھے دیکھنے اپنی ماں کے ساتھ آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ اب وہ مجھے آخری بار ملنے آئی تو پھر اُس نے یہی بات کہی کہ میں کسی بزرگ سے کوئی عمل کراؤں.... میں نے اپنے پیر صاحب سے اُسے ایک چیز دم کرا کے دی تھی"

"یہ تھی وہ چیز؟" — میں نے سونے کا بنا ہُوا پان کا چھوٹا سا پتا اُسے دکھا کر پوچھا۔

"بالکل یہی" — اُس نے یہ پتا ہاتھ میں لے کر کہا — "یہ آپ کو اُس کی لاش سے ملا ہو گا.... اب آخری بار میں نے اُسے بتایا کہ میں ایک سادھو کے پاس گیا تھا جو اُلٹا عمل بھی کرتا ہے اور غیب کے بھید بتا دیتا ہے۔ اُس

نے مجھے بتایا کہ مجھ پر یہ بیماری اس لئے آتی ہے کہ میں نے ایک ایسی لڑکی کو دل میں بٹھا لیا ہے جس کا ستارہ میرے ستارے کا دشمن ہے۔ اُس نے مجھے کہا کہ اس لڑکی کو جواب دے دو تو فوراً ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں نے دل میں کہا کہ میرا ممتاز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ سادھو نے مجھے ایک تعویذ دیا اور کچھ کھانے کو بھی دیا۔ اب دیکھ لو، میں اپنے پاؤں پر یہاں تک آ گیا ہوں اور میرے اندر کی جلن بالکل ختم ہو گئی ہے ....

"وہ بہت روتی۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا لیکن میرے دل میں سادھو نے بھی ڈر پیدا کر دیا تھا۔ میں نے ممتاز سے کہا کہ وہ چلی جاتے۔ اُس نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنے قریب کر لیا اور سسک کر بولی ــــ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کے بعد میں تمہیں نہیں دیکھ سکوں گی، ــــ میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں کہ میں بالکل یہی الفاظ اسے کہنے لگا تھا کہ آج رات ہم دونوں میں سے کسی ایک کی آخری رات ہے ....

"میں ڈرنے والا شخص نہیں ہوں جناب! لیکن میرے دل پر خوف بیٹھ گیا تھا۔ میں نے ممتاز کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ اُس وقت میرا دل بالکل پاک تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے یہ لڑکی معصوم سی بچی ہے اور ماں باپ سے بچھڑ کر اکیلی روتی پھر رہی ہے۔ اگر مجھے ذرا سا بھی اشارہ مل جاتا تو خدا کی قسم، میں ممتاز کو اپنے گھر لے جاتا اور اپنے باپ کی دونالی بندوق بھر کر باہر کھڑا ہو جاتا اور ممتاز کے بھائیوں کو للکار کر کہتا کہ آؤ، ہمت ہے تو اپنی بہن کو لے جاؤ۔"

منور کو ہچکی آگئی اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے اپنی بعض کہانیوں میں آپ کو بتایا ہے کہ میری ڈائری میں وارداتوں اور تفتیشوں کے اشارے اور تاریخیں لکھی ہیں۔ ان سے مجھے وہ سارا کیس یاد آجاتا ہے جو میں لکھنا چاہتا ہوں۔ بعض ملزموں، مشتبہوں اور گواہوں کے چہرے اور الفاظ مجھے ذہن پر زور دے کر یاد کرنے پڑتے ہیں لیکن کچھ انسان ایسے ہیں کہ آج تک اُن کے چہرے اور الفاظ میرے

ذہن پر نقش ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے وہ میرے سامنے بیٹھے اب بھی بول رہے ہیں۔ منور ان میں سے ایک ہے۔ ایسے پتہ چلتا ہے جیسے وہ آج بھی مجھے یہ بیان دے رہا ہے۔ مجھے یوں بھی محسوس ہو رہا ہے جیسے آج میرا قلم نہیں منور کی زبان چل رہی ہے اور میں لکھ نہیں رہا بلکہ سُن رہا ہوں۔

میں اُس کا بیان صاف اُردو میں سُنا رہا ہوں۔ وہ اپنی دیہاتی پنجابی میں بول رہا تھا۔ اُس کے الفاظ میں سادگی اور جذبات کی چاشنی تھی۔ شفاعت نے اُسے ممتاز سے الگ کرنے کے لئے کہا تھا کہ وہ اُس لڑکی کو دل سے اُتار دے جسے اُس نے دل میں بٹھا رکھا ہے کیونکہ اُن کے ستارے نہیں ملتے۔ منور نے اسے سچ مان لیا تھا مگر ممتاز کی محبت کو وہ دل سے نہیں نکال سکا تھا۔ اگر ممتاز کے ساتھ اُس کے تعلقات ناجائز ہوتے تو وہ جذباتی نہ ہوتا۔ وہ کہتا تم نہیں اور سہی۔ اُن کی محبت پاک تھی، اسی لئے آخری ملاقات کو یاد کر کے اُس کے آنسو نکل آتے تھے۔ میں نے اُس کے ساتھ اپنا رویہ اس طرح کر لیا تھا جیسے میں اُس کا ہمجولی اور ہمراز ہوں۔ مجھے یہ بھی نظر آنے لگا تھا کہ اس آدمی سے مجھے کوئی ایسا اشارہ مل جائے گا جو مجھے ممتاز کی موت کا راز بتا دے گا۔

میں نے اُسے جواب دے دیا

ممتاز کے ساتھ آخری ملاقات کی روئیداد سُناتے ہوئے منور نے کہا ــــ "میں نے اُسے اپنے ساتھ تو لگا لیا لیکن میں اُسے کہہ رہا تھا کہ وہ چلی جائے۔ اُس کے ساتھ اتنی لمبی ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پاک اور صاف چال چلن کی لڑکی تھی، وہ اس قسم کی ملاقاتوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ چلی گئی۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ وہ جب دُور چلی گئی تو میں اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ میں قریبی راستے کی بجائے ذرا لمبے راستے سے گیا۔ یہ راستہ ممتاز کے گھر کے قریب سے گزرتا تھا۔ چاندنی پھیکی سی تھی ....

"میں ممتاز کے گھر کے قریب گلی کا موڑ مڑا تو میں رُک گیا۔ مجھے ممتاز نظر آگئی تھی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اُس کے سامنے اُس کا بھائی کھڑا تھا۔ میں نے نُکڑ کی اوٹ سے دیکھا۔ ممتاز کا چھوٹا بھائی بھی باہر آگیا۔ اُن کی ماں اور باپ دوسرے گاؤں گئے ہُوئے تھے۔ بھائی بڑی دھیمی آواز میں بول رہے تھے۔ ممتاز کی آواز اُن سے اُونچی ہوگئی۔ اُس نے کہا ——'میں نے کہا ہے کہ دل گھبرا رہا تھا اس لئے میں اکیلی کھیتوں کی طرف نکل گئی تھی۔ میں اکیلی تھی'۔— بھائیوں نے معلوم نہیں اُسے کیا کہا تو وہ بولی ——'ہاں، مار دو۔ میں تو مر ہی جانا چاہتی ہوں۔ مجھے زندہ رہنے دو گے تو گھر سے چلی جاؤں گی'....

"دونوں بھائیوں نے اُسے پکڑ لیا اور اندر لے گئے۔ میں وہاں سے چل پڑا۔ میری حالت بہت بُری تھی۔ غصہ بے قابو ہو رہا تھا۔ برادری کا معاملہ تھا، ورنہ میں ممتاز کے ساتھ یہ سلوک نہ ہونے دیتا.... میں آپ کو یہ بات نہیں بتانا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ بھائیوں نے اگر اپنی بہن کو قتل کر دیا ہے تو اچھا کیا ہے۔ اُن کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی ایسے ہی کرتا۔ اتنے اُونچے خاندان کی لڑکی کہہ دے کہ جس کے ساتھ اُس کی منگنی کی گئی ہے اُسے وہ قبول ہی نہیں کرتی تو آپ سوچیں کہ دوسری ذاتوں، کمین ذاتوں اور ہندوؤں اور سکھوں کے سامنے خاندان کی عزت کیا رہ جاتی ہے، لیکن ممتاز کی باتیں سُناتے سُناتے میرے دل کا حال کچھ اور ہو گیا ہے، مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں رہا....

"میں نے پہلے آپ کو ایک دو باتیں صحیح نہیں بتائیں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ ممتاز کے بھائیوں اور اُس کی ماں نے مجھ سے ممتاز کے متعلق پوچھا تھا؟ میں نے آپ کو جواب دیا تھا کہ انہوں نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا... انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔ آخری ملاقات کے اگلے روز ممتاز کا بڑا بھائی میرے گھر آیا اور اُس نے مجھ سے پوچھا ——'ممتاز یہاں تو نہیں آئی؟'—— میں نے کہا ——'یہاں اُس کا کیا کام ہے۔ یہاں نہیں

آئی۔ کیوں؟ کیا بات ہے؟'—— اُس نے کہا ——'کچھ سمجھ نہیں آتی ممتاز رات سے غائب ہے'....

"مجھے رات کی بات یاد آگئی اور ممتاز کی باتیں جو اُس نے بھائیوں سے کہی تھیں، یاد آئیں۔ بھائی اُسے پکڑ کر لے گئے تھے۔ ممتاز کا بڑا بھائی فیروز تو خدا کو بھی پلے نہیں باندھتا۔ اب وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ ممتاز یہاں تو نہیں آئی؟ میں بھی اسی برادری کا جوان ہوں۔ مجھے طیش آگئی۔ میں نے فیروز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ——'مجھ سے پوچھتے ہو فیروز!'—— میں دراصل اُسے کہنا چاہتا تھا کہ ممتاز تمہارے سلوک سے بھاگی ہے۔ بھائیوں نے رات کو اُسے مارا پیٹا ہوگا۔ فیروز بڑا دلیر آدمی ہے لیکن اُس کی نظریں جھک گئیں جیسے میں نے اُس کی چوری پکڑ لی ہو۔ وہ کھسیانہ سا ہو کر چلا گیا....

"شام کو اُس کی ماں آگئی۔ اُس نے بتایا کہ اُن کی غیر حاضری میں ممتاز کہیں چلی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ اپنے بیٹوں سے پُوچھو۔ تھانے جاؤ۔ اُس نے کہا ——'وہ کہتے ہیں تھانے نہیں جائیں گے'—— معلوم نہیں جناب! میرے مُنہ سے یہ الفاظ کیوں نکل گئے ——'ممتاز نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اُس کا خدا تمہارے بیٹوں کو ایک نہ ایک دن تھانے پہنچائے گا'—— ممتاز کی ماں کو یہ بات بُری لگی۔ میرے دماغ پر معلوم نہیں کیا بھُوت سوار تھا۔ میں نے کہا ——'تمہارے بیٹوں کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا کہ تمہاری بیٹی کہاں ہے'—— اُس نے معلوم نہیں کیا کہا۔ میں نے کہا ——'میرا تیرا تعلق ختم ہے۔ آج کے بعد میرے گھر میں قدم نہ رکھنا'....

"وہ چلی گئی۔ میں نے دو تین بار متّو کو ممتاز کے گھر بھیجا کہ ویسے ہی وہاں جائے اور دیکھے کہ ممتاز گھر ہے یا نہیں۔ ممتاز گھر نہیں تھی۔ ماں نے جھُوٹ بولا تھا کہ ممتاز کا سر دُکھ رہا ہے اور وہ اندر سوئی ہوئی ہے.... میں نے پہلے آپ کو باتیں ذرا بدل کر سُنائی تھیں۔ اب جو کہہ رہا ہوں یہ بالکل سچ ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ممتاز نے خودکشی کی ہو"— میں نے کہا۔

"نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ اُس نے خودکشی کی ہے نہ اُس کا کوئی ثبوت ہے کہ اُسے بھائیوں نے قتل کیا ہے"— منوّر نے کہا— "میں نے آپ کو بتایا ہے کہ ممتاز کے لاپتہ ہونے سے پہلے کیا ہُوا تھا"

منوّر کے ساتھ تو بڑی ہی لمبی باتیں ہوتی تھیں۔ میں اُس کے ایک ایک لفظ پہ غور کر رہا تھا۔ شک مجھے بھی تھا کہ ممتاز کے قاتل اُس کے بھائی ہیں لیکن میں انہیں گرفتار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُن کے خلاف کوئی شہادت نہیں تھی، ثبوت کوئی نہیں تھا اور اگر میں انہیں مار پیٹ کر اقبالِ جرم کرا لیتا تو صرف اقبالِ جرم پہ انہیں سزا نہیں دلائی جا سکتی تھی۔ اس کے باوجود میں انہیں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے منوّر کے ساتھ باتیں کرتے کرتے فیصلہ کر لیا کہ ممتاز کے بھائیوں پر براہِ راست حملہ نہیں کروں گا بلکہ ذرا لمبا اور گول راستہ اختیار کروں گا۔

وہ ماں کی سطح سے گِر پڑی

باتوں باتوں میں ممتاز کی ماں کا پھر ذِکر آیا تو میں نے منوّر سے پوچھا کہ یہ عورت کیسی ہے اور اس نے ممتاز کا رشتہ اُسے (منوّر کو) کیوں نہیں دیا؟

منوّر نے آہ بھری پھر سَر جھکا لیا۔ مجھے متّو نے بتایا تھا کہ ممتاز کی ماں نے منوّر کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کر رکھا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ منوّر اپنی زبان سے اس کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں۔

"کیا یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا؟"— اُس نے ہونٹوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ لا کر کہا— "یہ بھی سُن لیں۔۔۔ ممتاز کی اور میری محبت چار سال پُرانی ہے۔ ممتاز کی ماں کو آپ نے شاید دیکھا ہو، بہت خوبصورت عورت ہے۔ ممتاز کی ماں ہونے کی وجہ سے مجھے وہ اور زیادہ خوبصورت

لگتی تھی۔ میں سات آٹھ سال کا تھا جب میری ماں مر گئی تھی۔ میری دونوں بہنیں مجھ سے بڑی ہیں۔ اُنہوں نے مجھے بہت پیار دیا لیکن ماں کی جگہ بہن پوری نہیں کر سکتی۔۔۔۔

"دو سال بعد میرے والد صاحب نے دوسری شادی کر لی اور ایک سال بعد اُسے طلاق دے دی۔ یہ عورت مجھے اور میری بہنوں کو پیار دینے کی بجائے ہمارے ساتھ غیروں جیسا سلوک کرتی تھی۔ میرے والد صاحب نے اُسے کہا کہ میں تمہیں اپنی اولاد پر حکم چلانے کے لئے نہیں لایا۔ اُس نے کوئی اُلٹی سیدھی بات کہہ دی۔ میرے والد صاحب برداشت کرنے والے آدمی نہیں۔ اُنہوں نے اُسے طلاق دے دی۔۔۔

"میں ماں کے پیار کو ترس رہا تھا۔ نوجوانی میں میرے اور ممتاز کے دل میں ایک دوسرے کی محبت پیدا ہو گئی تو میں ممتاز کے گھر جانے لگا۔ ممتاز کے بھائیوں کے ساتھ میری دوستی تھی۔ میں ان کے بہانے ممتاز کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ ممتاز کی ماں میرے ساتھ بہت پیار کرتی تھی۔ مجھے اسی پیار کی ضرورت تھی۔ یہ ماں کا پیار تھا جو ممتاز کی محبت سے زیادہ اچھا لگتا تھا۔۔۔۔

"میں پوری طرح جوان ہو گیا تو بھی ممتاز کی ماں میرے ساتھ پہلے کی طرح پیار کرتی رہی۔ بے شک وہ خوبصورت عورت ہے اور جوان اولاد کی ماں ہوتے ہوتے بھی جوان لگتی ہے لیکن میں اُس کے پیار کو ماں کا پیار سمجھتا تھا۔ ایک روز میں اُن کے گھر گیا تو ممتاز کی ماں اکیلی تھی۔ ممتاز ایک سہیلی کے گھر چلی گئی تھی۔ اُس کی ماں مجھے اندر بٹھا کر میرے پاس بیٹھ گئی اور میرے سَر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ماں کے سینے سے لگے مدّت ہو گئی تھی۔ اُس نے مجھ پہ نشہ طاری کر دیا لیکن وہ ماں کی سطح سے گِر پڑی۔ اُس نے مجھے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا اور میرا نیچے والا ہونٹ اپنے ہونٹوں میں لے کر اسے چوسنے لگی، پھر اُس کا ہاتھ میری ران پر چلا گیا۔ میں جوان تھا۔ میری ران پر رکھے ہوئے اُس کے ہاتھ نے

میری جوانی کو بیدار کر دیا۔ وہ لیٹ گئی اور مجھے اپنے اُوپر گرا لیا۔ میں اسے روک نہ سکا۔ جذبات نے ایسا جادو چلایا کہ ہم ماں بیٹا نہ رہے....

"کبھی مجھے افسوس ہوتا کبھی خوشی ہوتی، پھر یہی سلسلہ چل پڑا لیکن میں نے ایسی خواہش کبھی نہیں کی تھی۔ وہ مجھے بُلاتی تھی۔ کرتے کرتے ممتاز کے رشتے کا وقت آ گیا۔ میں نے ممتاز کی ماں سے کہا کہ ممتاز مجھے دے دو۔ اُس نے کہا کہ ممتاز کے ساتھ میرا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نہیں مان رہا تھا۔ میں نے کہا کہ کسی کو ہمارے اس تعلق کا علم نہیں، نکاح میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ اُس نے کہا۔ ۔میں دیکھ نہیں سکوں گی کہ تم پر کسی دوسری عورت نے قبضہ کر لیا ہے، خواہ وہ میری اپنی بیٹی ہو"....

"مجھے اس عورت سے نفرت ہونے لگی۔ میں نے اسے کہا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ لیکن وہ مجھ پہ جادو کی طرح سوار ہو گئی تھی۔ میں اُس سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ اس سے مجھے صرف یہ فائدہ ہُوا کہ اس عورت نے اپنے بیٹوں پہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں ممتاز کو چاہتا ہوں۔ انہیں بہت بعد میں میری اور ممتاز کی محبت کا علم ہُوا تھا لیکن ماں نے انہیں بتایا تھا کہ منوّر بڑا شریف آدمی ہے، یہ ممتاز ہے جو منوّر کے پیچھے پڑی ہُوتی ہے"۔

"کیا تم نے محسوس کیا تھا کہ ممتاز کی ماں کے دل میں ممتاز کی رقابت ہے؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"محسوس کیا کیا!"۔۔۔ منوّر نے کہا۔۔۔"وہ تو صاف کہتی تھی کہ یہ اُس کی برداشت سے باہر ہے کہ میرے دل میں کسی اور کی محبت ہو، خواہ اُس کی بیٹی ہی ہو"

"اس عورت نے کسی اور کو بھی در پردہ دوست بنا رکھا ہو گا"۔۔۔ میں نے کہا۔

"نہیں"۔۔۔ منوّر نے کہا۔۔۔"یہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایسی عورت نہیں۔ دراصل اُس کا خاوند بڑا ڈھیلا اور مُردہ سا

آدمی ہے۔ فضول باتیں کر کے ہر کسی پہ اپنا رُعب جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ ممتاز کی ماں نے مجھے بتایا تھا کہ اس شخص کے پاس کھوکھلے رُعب کے سوا کچھ بھی نہیں"۔

"کیا یہ شک کیا جا سکتا ہے کہ ممتاز اگر قتل ہوئی ہے تو اِس میں اُس کی ماں بھی شامل ہوگی؟"

"نہیں"۔۔۔ منوّر نے جواب دیا۔۔۔"وہ ایسی بدمعاش عورت نہیں۔ اگر وہ ایسی ہوتی تو اپنے خاوند کو کبھی کا ٹھکانے لگا چکی ہوتی۔ چار پانچ مرتبہ وہ تنہائی میں میرے آگے رو پڑی اور کہنے لگی کہ مجبور ہو کر تمہارے ساتھ یہ کھیل کھیل لیتی ہوں لیکن بعد میں اپنے آپ پر لعنت بھیجتی ہوں، پھر بھی جب دیکھتی ہوں کہ تمہارا دل کسی اور عورت کے ساتھ ہے تو مجھے غصہ آ جاتا ہے اور دل میں اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ تمہیں اپنے سینے میں ڈال کر چھپا لوں"۔

تھانیدار اس طرح بیان نہیں لیا کرتے جس طرح میں لے رہا تھا۔ جذباتی باتوں کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہ تو میں نے کہانی پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لئے منوّر کے بیان کا یہ حصہ بھی لکھ دیا ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ انسانی فطرت جب پیاسی ہوتی ہے تو کس سطح تک پہنچ جاتی ہے۔ منوّر کو ممتاز کی ماں جو اچھی لگتی تھی، یہ ایک نفسیاتی معاملہ ہے۔ اُسے اس عورت کے پیار میں ماں نظر آتی تھی۔ نفسیات کی رُو سے ماں کے پیار کا پیاسا آدمی اگر ناجائز دوستی کا خواہشمند ہوگا تو اپنے سے بڑی عورت کو پسند کرے گا۔

"دیکھو منوّر!"۔۔۔ میں نے اُسے کہا۔۔۔"تم گاؤں چلے جاؤ۔ وہاں بہت سے لوگوں کو پتہ چل چکا ہوگا کہ تمہیں تھانے بلایا گیا تھا۔ وہ تم سے پوچھیں گے۔ ممتاز کی ماں اور اُس کے بھائی تو ضرور پوچھیں گے۔ انہیں گول مول سا جواب دے دینا۔ میرے تمہارے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں، یہ کسی کو نہ بتانا۔ تم عقل والے جوان ہو۔ اپنے طور پر جاسوسی کرنا۔

کوئی اشارہ مل جائے تو اسی وقت تھانے آجانا۔"

قدرت نے سزا سنا دی

منور چلا گیا اور وہ دن گزر گیا

اگلا روز بھی دوسرے کاموں میں گزر گیا۔

شام کو شفاعت کا ایک چیلہ آگیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ شخص شفاعت ہے سادھو نہیں۔ یہ چیلہ شریف آدمی نہیں تھا۔ شفاعت کے گروہ کا آدمی تھا۔ اُس کا حال حُلیہ سادھوؤں والا تھا۔ اُس نے سر اُسترے سے صاف کرا رکھا تھا اور ماتھے پہ دو تین رنگوں کی لکیریں ڈالی ہوئی تھیں۔ جوگیا رنگ کے سادھوؤں جیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ گھٹنوں کے نیچے ٹانگیں ننگی تھیں۔ جوان آدمی تھا۔

"گورو مہاراج نے بھیجا ہے" ـــ اُس نے کہا ـــ "وہ بہت بُری تکلیف میں ہیں۔"

"میں گورو مہاراج کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" ـــ میں نے کہا ـــ "انہیں اگر کوئی آدمی پریشان کرتے ہیں تو مجھے بتاؤ.... کیا تکلیف ہے اُنہیں؟"

اُس نے وہی تکلیف بتائی جو شفاعت مجھے پہلے بتا چکا تھا لیکن اب اُس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی تھی۔ چیلے کی رپورٹ یہ تھی۔ شام کے بعد اُس کی کیفیت یہ ہو جاتی تھی کہ بیٹھے بیٹھے اُٹھ کھڑا ہوتا، خنجر نکال لیتا اور للکارنے لگتا ـــ "آؤ، قریب آؤ میرے" ـــ اور وہ ایک جگہ کھڑا ہر طرف دیکھتا اور گھومتا رہتا تھا۔ چیلے اُس سے پوچھتے تھے کہ تم سے کیا نظر آرہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ جن اور چڑیلیں ہیں۔ یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہتی تھی لیکن اگلا دورہ پچھلے دورے سے زیادہ شدید ہوتا تھا۔

دو راتوں سے اُس کی حالت یہ ہوگئی کہ دونوں راتیں وہ دو تین بار اُٹھا اور واہی تباہی بکتا کُٹیا سے باہر دوڑتا نکل گیا۔ چیلے بھی جاگ اُٹھے اور باہر کو دوڑے گئے۔ اپنے گورو مہاراج کو دیکھا۔ وہ ہوا میں اِدھر اُدھر خنجر مار رہا تھا۔ چیلوں نے اُسے پکڑ لیا اور اندر لے گئے۔

دن کے وقت وہ بالکل ٹھیک رہتا تھا۔ اُس کے پاس ہندو آتے رہتے تھے۔ عورتیں زیادہ آتی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ چیلہ بہروپیا ہے اور پکا بدمعاش لیکن میں نے اُسے نہ جتایا۔ اُس کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے اُس سے بہت کچھ پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ علی رضا دو دنوں سے شفاعت کے پاس آرہا ہے۔ علی رضا کے متعلق آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ نیم پاگل ہو چکا تھا، یا یوں کہہ لیں کہ اُسے پاگل پن کا دورہ دن رات میں تین چار بار پڑتا تھا۔ وہ قہقہے لگاتا تھا یا روتا تھا۔

"علی رضا گورو مہاراج سے کہتا ہے کہ مجھے ٹھیک کرو" ـــ چیلے نے میرے ایک سوال کے جواب میں کہا ـــ "گورو مہاراج نے اُسے کہا ہے کہ میں خود نہ جانے کس مصیبت میں گرفتار ہوں، تمہیں کس طرح ٹھیک کر سکتا ہوں۔ علی رضا کہتا ہے ـــ 'میری یہ حالت تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ تم ہی میری حالت ٹھیک کر سکتے ہو' ـــ کل علی رضا پھر آگیا اور گورو مہاراج کے ساتھ اُس نے بڑی ہی بدتمیزی سے باتیں کیں۔ مہاراج کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ چیلوں نے علی رضا کو دھکے دے کر کُٹیا سے نکال دیا۔"

مجھے تو معلوم تھا کہ علی رضا اس حالت کو کس طرح پہنچا تھا اور علی رضا نے شفاعت سے کیا کام کرایا تھا لیکن میں نے انجان بن کر اس چیلے سے پوچھا کہ علی رضا نے گورو مہاراج سے یہ کیوں کہا تھا کہ اُس کی یہ حالت گورو مہاراج کی وجہ سے ہوئی ہے؟

"مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں سرکار!" ـــ چیلے نے کہا۔

"تمہیں سب کچھ معلوم ہے" ـــ میں نے آگے ہو کر اُسے رازداری

کے لہجے میں کہا ـــــ "اور مجھے بھی معلوم ہے۔"

اُس کے چہرے پر گھبراہٹ آگئی اور اُس نے آنکھیں اِدھر اُدھر پھیرنی شروع کر دیں۔

"مت گھبراؤ" ـــــ میں نے کہا ـــــ "صحیح بات بتاؤ۔ مہاراج نے میرے لئے کیا پیغام بھیجا ہے۔ تھانے کے احاطے سے نکل کر پھر سادھو کا چیلہ بن جانا۔ میرے ساتھ سیدھی بات کرو۔"

"سرکار!" ـــــ اُس نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا ـــــ "مہاراج بہت ڈرے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تھانیدار حضور سے کہنا کہ مجھے تھانے میں بٹھا لو، میری جان خطرے میں ہے۔ میرے پاس آؤ اور میری حالت دیکھو۔"

"اپنے مہاراج سے کہنا کہ میں وہ علم نہیں جانتا جو تمہیں اس اُلٹے اثر سے نجات دلا دے" ـــــ میں نے کہا ـــــ "تھانیدار ملزموں اور مشتبہوں کو تھانے میں بٹھایا کرتے ہیں کسی کو پناہ نہیں دیا کرتے۔"

دراصل شفاعت کا دماغ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وہ مجھے اپنی حالت بتا گیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اُس پر اُس کالے جادو کا اُلٹا اثر ہو گیا ہے جو اُس نے شکوری پر چلایا تھا لیکن میں اسے ضمیر کی سزا کہتا تھا۔ بیشک وہ مجرم فطرت کا آدمی تھا لیکن ضمیر کی خاصیت ہے کہ اپنے اوپر کسی جرم کا بوجھ نہیں لے سکتا۔ اُس سے بڑا گھناؤنا جرم سرزد ہو گیا تھا۔ ایک شریف اور پاک لڑکی کو جو صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی، کالے علم کے اثر میں لانا ایسا جرم تھا جسے شفاعت جیسے پختہ کار مجرم کا ضمیر بھی برداشت نہ کر سکا۔

میں شفاعت کے اس ردِ عمل کی دوسری وجہ بھی بیان کر چکا ہوں۔ یہ میرا ایمان ہے کہ جو طاقت اللہ کے کلام میں ہے، اُس کا مقابلہ کوئی علم اور کوئی جادو نہیں کر سکتا۔ نانک زبیر احمد نے مجھے بتایا تھا کہ شکوری پہلے

سے زیادہ اللہ کی یاد میں محو رہتی ہے۔ مجھے خیال آیا کہ وہ شفاعت اور علی رضا کو ضرور بددعائیں دیتی ہو گی اور رحمے رہزن اور زبیر احمد کے لئے اُس کے مُنہ سے سو سو دعائیں نکلتی ہوں گی۔

شفاعت کا چیلہ جانے لگا تو رُک گیا اور میرے مُنہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ڈرتا تھا۔ میں نے اُسے دوستانہ لہجے میں کہا کہ وہ کہہ دے جو کچھ کہنا چاہتا ہے۔

"بات یہ ہے سرکار!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "مہاراج اپنے آپ میں نہیں رہے۔ اگر آپ کو سب کچھ معلوم ہے تو میری یہ بات لکھ لیں کہ وہ اپنے آپ کو ختم کر دیں گے یا ختم کر دیئے جائیں گے۔ ایک فوجی جس کا نام زبیر ہے، آج پھر آیا تھا۔ اُس نے مہاراج سے کہا ہے کہ میں نے تمہیں آٹھ دِنوں کی مہلت دی ہے۔ گِن لو کتنے دن رہ گئے ہیں .... مہاراج اندر سے اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ اُنہوں نے زبیر کے آگے ہاتھ جوڑ کر منت کی کہ مجھے بخش دو۔ زبیر نے کہا کہ خدا نے تمہاری سزا سُنا دی ہے اور وہ سزا تمہیں میرے ہاتھوں ملے گی۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

میں ایک جرائم پیشہ آدمی کی سیکیورٹی کا انتظام نہیں کر سکتا تھا۔ شفاعت کے چیلے سے میں نے کہا کہ زبیر نے آٹھ دِنوں بعد کوئی گڑبڑ کی تو میں سنبھال لوں گا۔ جاؤ مہاراج کو تسلی دو۔

شاباش مہنگی پڑ گئی

مجھے "مہاراج" کا کوئی غم نہیں تھا۔ مجھے اگر غم تھا تو اپنی سروس کا اور اپنی ڈیوٹی کا تھا۔ وہ لاش میرے گلے پڑی ہوئی تھی جس کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی کا ایک روز فون آیا جو اس نے کسی اور بات کے لئے کیا تھا مگر یہ بات کر کے اس نے پوچھا ـــــ "اُس لاش کی تحقیقات کر رہے ہو؟"

"کر رہا ہوں"— میں نے کہا اور میرے مُنہ سے نکل گیا — "یہ قتل کا کیس ہے۔ تفتیش کر رہا ہوں۔"

اُس نے خوش ہو کر مجھے شاباش دی۔ یہ شاباش مجھے مہنگی پڑ رہی تھی۔

میں نے صبح پہلا یہ کام کیا کہ ایک کانسٹیبل کو ممتاز کے گاؤں بھیجا کہ ممتاز کی ماں کو ساتھ لے آئے۔ اُسی روز نانک زبیر احمد کے گاؤں کا نمبردار شنکر آگیا۔ اُس نے پہلی خبر یہ سنائی کہ کل نانک زبیر اور شکوری کی شادی ہو رہی ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ لوگ شکوری کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں۔

"زبیر نے سب کے مُنہ بند کر دیئے ہیں"— شنکر نے کہا — "اب کوئی شکوری کے خلاف بات کرتا ہے تو اِدھر اُدھر دیکھ کر کرتا ہے کہ زبیر نہ سُن لے۔ لوگوں نے تو ایسی ایسی باتیں گھڑی تھیں کہ سُننے والے کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ ایک بات تو ہر کوئی کہتا تھا کہ خود گئی تھی اور عیش موج کر کے واپس آگئی ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ ایک آدمی کے پیچھے نکل گئی تھی کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرے گا لیکن اس آدمی نے اُسے خراب کر کے واپس بھیج دیا ہے۔ نانک زبیر نے ایک دن گاؤں کے سرکردہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو اکٹھا کر لیا اور للکار کر کہا کہ جسے شکوری کے خلاف بات کرنی ہے وہ میرے سامنے کرے....

"سب خاموش رہے۔ زبیر نے اُنہیں کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔ وہ چلا گیا اور علی رضا کو پکڑ کر لے آیا۔ علی رضا معمولی آدمی نہیں لیکن زبیر نے اُس کا گریبان پکڑ رکھا تھا اور علی رضا کے مُنہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ زبیر نے سب سے کہا کہ اس سے پوچھو شکوری کہاں گئی تھی۔ علی رضا کا دماغ صحیح نہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اسے کیا ہُوا تھا۔ وہ تو پاگل ہو گیا ہے۔ زبیر کی بات سُن کر علی رضا نے قہقہہ لگایا پھر بچوں کی طرح رونے لگا۔ میں بھی وہیں تھا۔ میں نے کہا کہ یہ تو پاگل ہے، اِسے

تنگ نہ کرو....

"اتنی دیر میں علی رضا کے خاندان کے تین آدمی آگئے۔ اُنہیں کسی نے بتایا تھا کہ زبیر علی رضا کو گریبان سے پکڑ کر کہیں لے گیا ہے۔ وہ تین آدمی لاٹھیاں لے کر آئے تھے۔ زبیر کودتا پھلانگتا وہاں سے چلا گیا۔ ہم سمجھے کہ بھاگ گیا ہے لیکن وہ اپنی ایک نالی بندوق اُٹھائے آگیا۔ اُس کے گلے میں کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ اُس نے سب کو للکارا۔ سب جانتے ہیں کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ سارے گاؤں میں اُس جیسا اکھڑ اور جرأت والا آدمی کوئی نہیں۔ وہ معمولی باپ کا بیٹا نہیں۔ اُس کا باپ صوبیدار میجری پنشن پر آکر مرا تھا۔ انگریزوں نے اُسے بے شمار زمین دی تھی۔ زبیر کے دو چچے بڑے زبردست آدمی ہیں۔ اُن کے بیٹے زبیر کے بازو ہیں....

"اِدھر زبیر بندوق لے کر نکل آیا اُدھر اُس کے چچیرے بھائی لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لے کے آگئے۔ علی رضا کے بھائی اور دوسرے دو رشتہ دار وہاں سے کھسک گئے۔ زبیر نے للکار کر کہا — 'کسی نے میری منگیتر کا نام بھی لیا تو اُس کی زبان کھینچ لیں گے'— وہاں سارے گاؤں کی آبادی اکٹھی ہو گئی تھی۔ زبیر نے ہمارے سوامی جی (شفاعت) کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ اُس نے ایسے ایسے الفاظ کہے کہ ہندوؤ! تم تو ہو ہی بے غیرت۔ وہ جسے تم گورو، سادھو مہاراج، سوامی اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہو، مسلمان نوسرباز ہے۔ وہ چور اور ڈاکو ہے۔ وہ رَحمے رہزن کا اور بدمعاشوں کا دوست ہے اور تم اپنی بیٹیوں اور جوان عورتوں کو اُس کے پاس بھیجتے ہو....

"میں ڈر گیا کہ اب ہندو مسلم فساد ہُوا کہ ہُوا۔ میں نے فوراً ایک آدمی سے کہہ دیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی لڑائی شروع ہو گئی تو تم میری گھوڑی پر فوراً تھانے اطلاع کر دینا لیکن ہندوؤں نے عقل سے کام لیا۔ میں نے زبیر کو گلے لگا کہ ٹھنڈا کیا اور اُسے اُس کے گھر لے گیا۔ رات کو سرکردہ ہندوؤں

نے مندر میں بیٹھ کر سر جوڑے۔ میں بھی گیا تھا۔ کئی بار ایسے ہوا ہے کہ کسی جگہ کوئی سکھ یا مسلمان سادھوؤں یا یوگیوں کے بہروپ میں پکڑا گیا۔ ہم نے زبیر کی بات پر غصہ کرنے کی بجائے اس پر غور کیا کہ کسی طرح معلوم کرو کہ یہ سادھو جسے ہم سوامی کہتے ہیں، کوئی بہروپیا تو نہیں ....

"آپ کے تھانے سے خبر اُڑی کہ یہ سادھو مشکوک ہے۔ اگلے روز دو معزز ہندو آپ کے پاس آتے اور آپ سے پوچھا کہ یہ سادھو مشکوک تو نہیں۔ آپ نے انہیں یقین دلایا کہ یہ سادھو صحیح معنوں میں سادھو ہے اور اس نے آپ کو ایسی باتیں بتائی تھیں جو بالکل ٹھیک نکلی تھیں۔"

نمبردار کے ساتھ میری بہت باتیں ہوئیں۔ اُس نے بتایا کہ ہندوؤں کے پنڈت نے شفاعت کی گُف میں جا کر اُس کے ساتھ اپنے مذہب کی باتیں کی تھیں اور شفاعت امتحان میں پورا اُترا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ وہ کتنا کامیاب بہروپیا تھا۔ نمبردار نے زبیر کے متعلق یہ رائے دی کہ وہ ہٹ کا پکا ہے اور وہ جو کہتا ہے وہ کر کے ہی رہتا ہے۔

مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ مجھ سے کب بھُول ہوگئی کہ میں نے زبیر کو بتا دیا کہ یہ سادھو جرائم پیشہ مسلمان ہے۔ میں تو اسے راز رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ ڈر بھی محسوس ہونے لگا کہ زبیر احمد اگر ایسا ہی ہے جیسا شکر بتا رہا ہے تو وہ کہیں شفاعت کو قتل ہی نہ کر دے۔

نمبردار تھانے میں آتے رہتے تھے۔ یہ اُن کی ڈیوٹی تھی۔ شکر بھی ایسے ہی چکر میں آیا تھا۔ کچھ سرکاری باتیں ہوئیں اور وہ چلا گیا۔

ممتاز کی ماں اور منوّر

دوپہر کے بعد ممتاز کی ماں آگئی۔ اُس کے ساتھ اُس کا خاوند اور دونوں بیٹے تھے۔ وہ سب میرے پاس آگئے۔ سب سے پہلے ممتاز کے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے انہیں کیوں بلایا ہے۔ اس شخص کے متعلق میں سُن

چکا تھا کہ ڈھیلا اور کھوکھلا آدمی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں نے انہیں نہیں بُلایا۔ میں نے صرف اس عورت کو بلایا ہے جو لاپتہ لڑکی کی ماں ہے۔

"ہم دونوں اس کے بیٹے ہیں۔ آپ کو معلوم ہی ہے" ۔۔۔ بڑے بیٹے فیروز نے کہا ۔۔۔ "آپ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں وہ ہم سے پوچھ لیں"۔

"ہم آپ کو سب کچھ بتا گئے تھے" ۔۔۔ چھوٹے بیٹے اقبال نے کہا ۔۔۔ "اب اور کیا پوچھنا ہے آپ کو؟"

"مجھے جو کچھ پوچھنا ہے وہ میں تمہاری ماں سے پوچھوں گا" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اگر تم لوگ اپنی بہن کی گمشدگی کی رپورٹ اپنے تھانے میں دے دیتے تو آج اس تھانے کے چکروں سے محفوظ رہتے۔ مجھے پوری تحقیقات کرنے کا حکم ملا ہے۔ تمہاری بہن قتل ہوتی ہے .... تم تینوں باہر نکل جاؤ اور اس عورت کو یہیں رہنے دو۔ یہ گاؤں نہیں تھانہ ہے"۔

وہ باہر نکل گئے۔ میں نے کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ ان تینوں کو یہاں سے دُور لے جاؤ۔ برآمدے سے بھی باہر لے جاؤ۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا دیتا ہوں کہ میں جسمانی ایذا رسانی کا قائل نہ تھا۔ میرا طریقہ تفتیش کچھ اور تھا۔ ان لوگوں کو میں کسی اور اذیت میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہیں بار بار تھانے بُلانا تھا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ میں انہیں پہلی ہی بار کہتا کہ تم نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے اور وہ یہ کہہ دیتے کہ ہاں ہم نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ انہوں نے بہن کو قتل نہ کیا ہو۔ اگر قتل ہی کیا تھا تو یہ ایسا قتل تھا جس میں ملزموں کا کوئی سراغ نہیں ملا کرتا۔ میرے اس طریقے کی پہلی کڑی یہ تھی کہ ان کی ماں کو بلایا تھا اور وہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔ میں نے اپنا رویّہ اور انداز تھانیداروں جیسا کر لیا تھا۔

"بیٹی کا کچھ پتہ چلا؟" ۔۔۔ میں نے ممتاز کی ماں سے پوچھا۔

"نہ جی!" اُس نے مغموم سے لہجے میں جواب دیا ــــ "آپ کہتے ہیں کہ اُس کی لاش ملی ہے۔"

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ تمہیں معلوم نہ ہو کہ تمہاری بیٹی کس کے ساتھ گئی تھی؟"

"مجھے کچھ پتہ نہیں" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "میں اتنا ہی جانتی تھی کہ وہ منوّر کو چاہتی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ منوّر کی ذات تمہاری ذات سے کمتر ہے" ــــ میں نے کہا ــــ "تم نے یہ جھوٹ کیوں بولا تھا؟"

"جھوٹ تو نہیں" ــــ اُس نے کہا۔

"کیا منوّر تمہاری ذات اور تمہاری برادری کا آدمی نہیں؟" ــــ میں نے پوچھا اور اُس کا جواب سُنے بغیر کہا ــــ "تم سمجھتی ہو کہ گاؤں میں اور کوئی انسان نہیں جو مجھے سچ اور جھوٹ الگ الگ کر کے بتا سکے .... تمہارا جھوٹ تمہیں پھنسا دے گا۔ اب بولو منوّر کی ذات کیا ہے؟"

اُس نے منوّر کی صحیح ذات بتا دی۔ یہی اُس کی اپنی ذات تھی۔ پھر کہنے لگی ــــ "آپ نے منوّر کو بلایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ آپ کو اُلٹی سیدھی باتیں بتا گیا ہے۔ وہ جھوٹا آدمی ہے۔ اُس کی کسی بات کو سچ نہ ماننا۔"

"میں اُسے جانتا ہوں" ــــ میں نے کہا ــــ "وہ کبھی کبھی تمہارے ساتھ بھی جھوٹ بول دیتا ہے۔ تم اُسے بلاتی ہو اور وہ جواب بھیجتا ہے کہ منوّر گھر نہیں۔"

اُس نے چونک کر میرے مُنہ کی طرف دیکھا۔ دھچکہ جو اُسے لگا تھا، وہ اُس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا۔

"آپ اس طرح سوال کرتے ہیں جیسے اپنی بیٹی کو میں نے خود غائب کیا ہے" ــــ اُس نے پریشان سے لہجے میں کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی ــــ "میرے غم کو آپ شاید نہیں سمجھ رہے۔"

"میری بات کان کھول کر سُن لو" ــــ میں نے کہا ــــ "تم اُس رات

گھر میں نہیں تھیں جس رات تمہاری بیٹی لاپتہ ہوئی تھی۔ اپنے بیٹوں سے پوچھو۔ وہ جانتے ہیں اُن کی بہن کہاں ہے۔ میں تمہاری عزت کا خیال رکھوں گا۔ تم خود بھی اپنی عزت کا خیال کرو۔ بار بار تھانے آنا ٹھیک نہیں۔ مجھ سے تم لوگ کوئی بات نہیں چھپا سکتے۔ میں تمہیں بتا دوں کہ جہاں سے لاش ملا کرتی ہے اُس جگہ کی مٹی گواہی دیا کرتی ہے کہ قاتل کون ہے .... میں تمہیں جانے کی اجازت دے دیتا ہوں۔ اگلی بار بلاؤں گا تو سوچ کر آنا۔ یہاں جھوٹ نہیں چلے گا۔"

میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ کچھ کہے بغیر باہر چلی گئی۔ اُس کا خاوند اندر آ گیا۔ مجھ پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ بڑی اُونچی ذات کا آدمی ہے، اُس نے کوئی بات کی۔

"اپنے گھر کی خبر لے چوہدری!" ــــ میں نے اُسے کہا ــــ "اپنی چارپائی کے نیچے لاٹھی پھیر۔ یہ تھانہ ہے۔"

وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور مُنہ بیوقوفوں کی طرح کھول کر میرے مُنہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ میری بات نہ سمجھ سکا ہو۔ مجھے اُس پر غصہ آنے لگا تھا۔

"مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا" ــــ اُس نے بے بسی کے لہجے میں کہا ــــ "کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ بیٹے اپنی ماں کے قابو میں ہیں۔ مجھے کچھ نہیں بتاتے۔ اپنی بیٹی سے مجھے بہت پیار تھا" ــــ اُس کی ہچکی نکل گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا ــــ "میں نے کہا تھا کہ ممتاز کا رشتہ منوّر کو دے دو۔ میرا چھوٹا بیٹا بھی یہی کہتا تھا لیکن میری بیوی نہ مانی۔ منوّر کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔"

"منوّر کیسا لڑکا ہے؟"

"بہت اچھا لڑکا ہے" ــــ اُس نے جواب دیا ــــ "میرے بیٹوں کی طرح ہر کسی کے گلے نہیں پڑتا۔ بولتا وہاں ہے جہاں بولنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ایسا بولتا ہے کہ سب کے مُنہ بند کر دیتا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ چوہدری!" — میں نے پوچھا — "کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹی ممتاز منوّر کو چاہتی تھی؟"

"اچھی طرح معلوم تھا جی!"

"کبھی تمہارے دل میں شک آیا ہے کہ منوّر نے ممتاز کو کہیں چھپا رکھا ہے؟"

"نہیں" — اس نے بڑی زور زور سے سر ہلا کر کہا — "منوّر ایسا لڑکا نہیں۔ میں قسم بھی کھا سکتا ہوں"۔

میں نے اس سے اور بھی بہت کچھ پوچھا لیکن ایسے لگتا تھا جیسے اپنے گھر کے متعلق اسے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسے کہا کہ وہ چلا جائے۔ وہ باہر نکلا تو اس کے بیٹے آگئے۔ انہیں میں نے ایسی فضول باتیں کہیں کہ وہ گھبرا گئے۔ میں نے انہیں چلے جانے کو کہا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انہیں مسلسل گھبراہٹ اور بے یقینی کی کیفیت میں رکھا جائے۔

شکوری کی شادی اور رُحما رہزن

اس سے اگلے روز نانک زبیر احمد اور شکوری کی شادی تھی۔ مجھے بالکل یاد نہیں تھا۔ نمبردار شنکر مجھے بتا گیا تھا۔ میرے لئے ان کی شادی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ تھانیدار ایسی غیر ضروری باتیں یاد نہیں رکھ سکتے۔ میرا وہ دن تھانے کی جھک جھک ایک میں گذر گیا۔

رات کے غالباً ساڑھے نو کا وقت تھا۔ میں اپنے گھر میں تھا۔ دو آدمی آگئے تھے۔ ان کے ساتھ گپ شپ چلتی رہی۔ وہ چلے گئے اور میں لیٹ گیا۔ اونگھ آرہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میری بیوی نے دروازہ کھولا اور مجھے آکر بتایا کہ ایک آدمی آیا ہے۔ اپنا نام علی رضا بتاتا ہے۔ کہتا ہے بہت ضروری کام ہے۔

علی رضا کا نام سن کر میں بیدار ہو گیا لیکن خیال آگیا کہ وہ علی رضا

نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق تو بتایا گیا تھا کہ نیم پاگل ہے۔ بہرحال میں اٹھا اور اسے بیٹھنے والے کمرے میں لے گیا۔ یہ وہی علی رضا تھا اور وہ اچھا بھلا تھا۔

"ایک خبر لایا ہوں" — اس نے کہا — "آپ اس تھانے میں نئے آئے ہیں۔ میں اس تھانے کا پرانا آدمی ہوں۔ مجھ پہ ایسی مصیبت آپڑی کہ آپ کی خدمت کا موقع ہی نہ ملا"۔

"تم وہ خبر سناؤ جو لاتے ہو"۔

"آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ رحما رہزن اشتہاری ملزم ہے" — اس نے کہا — "وہ اس وقت میرے گاؤں میں ہے۔ اگر آپ فوراً حرکت کریں تو اسے گرفتار کر سکتے ہیں"۔

"وہاں کیا کر رہا ہے؟" — میں نے پوچھا — "کس کے گھر میں ہے؟"

"ایک شادی پہ آیا ہوا ہے" — علی رضا نے جواب دیا — "اسی لڑکی کی شادی ہے جو لاپتہ ہو گئی تھی.... شکوری .... نانک زبیر کے ساتھ.... رُحمے کو زبیر نے بلایا ہے۔ باہر گانا بجانا ہو رہا ہے"۔

میں ساری بات سمجھ گیا۔ رُحمے کو زبیر نے اس لئے شادی پر مدعو کیا ہوگا کہ رُحمے نے شکوری کی عزت کی حفاظت کی تھی۔ علی رضا رُحمے کی مخبری کرنے اس لئے آگیا تھا کہ رُحمے نے اس شخص کو اپنی قید میں رکھ کر جسمانی اور دماغی لحاظ سے بیکار کر دیا تھا۔ علی رضا رُحمے سے انتقام لے رہا تھا۔ مجھے یہ بھی دیکھنا تھا کہ علی رضا ہوش میں ہے یا پاگل پن کے دورے ہیں۔

"تمہیں عام طور پر کیا تکلیف ہوتی ہے؟" — میں نے کہا — "میں نے سنا ہے کہ تمہیں کوئی دماغی تکلیف ہو جاتی ہے"۔

"آپ نے ٹھیک سنا ہے" — اس نے جواب دیا — "دن میں دو تین مرتبہ ایسا دورہ پڑتا ہے کہ مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ میں کیا کر رہا

ہوں۔ ڈورے کے بعد مجھے بتایا جاتا ہے کہ میں ہنستا رہا ہوں یا روتا رہا ہوں یا دونوں ہی کام کرتا رہا ہوں۔ میرے جسم میں کوئی ایسی کمزوری پیدا ہوگئی ہے کہ جسم کی طاقت آدھی بھی نہیں رہی" — بولتے بولتے وہ مسکرایا اور کہنے لگا — "آپ فکر نہ کریں، میں اس وقت بالکل ہوش میں ہوں۔ رحمے رہزن کو دیکھ کر میں بالکل ہوش میں آگیا ہوں"

میں نے اُس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ اُس کی یہ حالت کس وجہ سے ہوتی ہے۔ مجھے یہ اعتبار آگیا کہ اس وقت یہ شخص واقعی ہوش میں ہے۔ اچانک مجھے ایک خیال آگیا۔ اس خیال کے تحت میں نے علی رضا سے کہا کہ وہ فوراً اپنے گاؤں چلا جائے اور رحمے پر نظر رکھے۔ اگر رحما میرے پہنچنے سے پہلے وہاں سے چلا جائے تو علی رضا دیکھے کہ وہ کدھر گیا ہے۔

علی رضا جانے کے لئے اُٹھا اور بولا — "میں نے نمبردار شنکر کے ساتھ بات کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ تم فوراً تھانے پہنچو اور ملک صاحب سے کہو کہ دیر نہ کریں، شکار ہاتھ سے نکل جائے گا"

علی رضا گھوڑی پر آیا تھا۔ وہ باہر نکلا اور مجھے گھوڑی کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

ایک مسلمان کانسٹیبل میرے گھر کے چھوٹے موٹے کام کیا کرتا تھا۔ میں نے اُسے ایک الگ کمرہ دے رکھا تھا جہاں وہ رات کو سویا کرتا تھا۔ میں اُس کے کمرے میں گیا۔ اُسے گہری نیند سے اُٹھایا۔ اُس نے چادر باندھ رکھی تھی اور کرتہ پہنا ہوا تھا۔

"یہی کپڑے پہنے رکھو" — میں نے اُسے کہا — "سر پر دیہاتیوں کی طرح پگڑی لپیٹ لو اور فوراً نمبردار شنکر کے گاؤں پہنچو۔ وہاں ایک شادی ہو رہی ہے۔ ناچ گانا بھی ہو رہا ہے۔ رحما رہزن وہاں موجود ہے.... تم نے اُسے کبھی دیکھا تو نہیں؟"

"نہ جی" — اُس نے جواب دیا — "میں نے صرف سُنا ہے، اُسے

دیکھا کبھی نہیں"

"تم نے اُس فوجی کو تو دیکھا ہے نا، جس کا نام زبیر ہے؟" — میں نے پوچھا — "وہ تھانے میں بھی آتا رہا ہے"

"ہاں جی" — اُس نے جواب دیا — "اُسے تو بہت اچھی طرح جانتا ہوں"

"تم بہت تیز چلو اور اُس گاؤں پہنچو" — میں نے اُسے کہا — "لیکن وہاں تمہیں کوئی ایسا آدمی نہ دیکھ سکے جو تمہیں پہچانتا ہو۔ زبیر کی شادی ہو رہی ہے۔ پگڑی کا پلو منہ پر کر لینا اور کسی سے کہنا کہ زبیر کو بھیجو، بڑا ضروری کام ہے۔ زبیر جب آجائے تو اُسے الگ اندھیرے میں لے جانا اور اُسے کہنا کہ مجھے ملک صاحب نے بھیجا ہے۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ رحمے کو وہاں سے نکالو، مخبری ہوگئی ہے اور رحمے سے کہو کہ گاؤں کے قبرستان کی طرف آجائے۔ دل میں کوئی شک نہ رکھے۔ میں اُس کے ساتھ دو باتیں کروں گا اور اُسے نکال کر گاؤں پر چھاپہ ماروں گا"

میں نے اس کانسٹیبل کو خاصی زیادہ باتیں سمجھائی تھیں۔ آپ کو بہت تھوڑی سُنا رہا ہوں۔ اس کانسٹیبل پر مجھے پورا اعتماد تھا۔ میں اس کا افسر تو تھا ہی لیکن افسری ماتحتی سے ہٹ کر وہ معلوم نہیں کیوں میرا مرید بن گیا تھا۔ میرے اشارے پر وہ گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا۔

میں وردی پہن کر تھانے گیا۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل اور آٹھ کانسٹیبلوں کو گاؤں پر چھاپہ مارنے کے لئے تیار کیا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ سب آرام آرام سے تیار ہوتے رہے۔ میں دانستہ وقت ضائع کر رہا تھا۔ میں رحمے کو وہاں سے بھگانے کا انتظام کر چکا تھا لیکن چھاپہ مارنا ضروری تھا۔ اگر میں چھاپہ نہ مارتا تو علی رضا اور ہندو نمبردار سرکردہ ہندوؤں کو بتا کر میرے خلاف شکایت اوپر پہنچا سکتے تھے کہ میں نے اطلاع ملنے کے باوجود چھاپہ نہ مارا۔ میں وقت اس لئے ضائع کر رہا تھا کہ میرا کانسٹیبل پہلے پہنچ جائے اور رحمے کو وہاں سے کھسکا دے۔

میں نے نیکی کا صلہ دیا

میں اپنی گارد کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ میں راستے میں سب کو بتاتا گیا کہ گاؤں کے تمام راستے بند کر کے رحمے رہزن کو پکڑنا ہے۔ ہو سکتا ہے مقابلہ ہو جائے۔ ہم چلتے گئے اور گاؤں سے کچھ دُور رہ گئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ گاؤں کا قبرستان کس طرف ہے۔ ایک جگہ پہنچ کر میں نے گارد سے کہا کہ سب یہاں بیٹھ جائیں۔ میں ذرا آگے کا حال احوال دیکھ لوں۔

میں چکمہ کاٹ کر قبرستان کی طرف چلا گیا۔ چاندنی ابھی کم تھی۔

"اکیلے ہو یا سارا تھانہ ساتھ لاتے ہو" — میں قبرستان کے قریب پہنچا تو ایک آواز آئی۔

یہ آواز رحمے رہزن کی ہی ہو سکتی تھی۔ میں نے اُسے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ تھانے میں اُس کی تصویر موجود تھی۔ اشتہاری ملزموں کی تصویریں ہر تھانے میں رکھی جاتی ہیں۔ میں تھانے سے روانہ ہوتے وقت اُس کی فوٹو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

"آگے آجا رحمے!" — میں نے کہا — "فکر نہ کر۔"

وہ ایک بڑے چوڑے اور گھنے درخت کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ میں قریب گیا تو وہ سامنے آگیا۔ میں نے اس پر ٹارچ کی روشنی ماری پھر جیب سے تصویر نکال کر دیکھی۔ یہ اُس کی پُرانی تصویر تھی۔

"میں ہی رحما ہوں اُستاد!" — اُس نے کہا — "تمہارا پیغام مل گیا تھا۔ دیکھ تیرے وعدے پر آگیا ہوں۔"

"رحمے!" — میں نے کہا — "میں نے کبھی کسی کو چھوڑا نہیں۔ تم تو جال میں ایسے آتے تھے کہ نکل نہ سکتے تھے لیکن ایک نیکی کا صلہ

تمہیں ملنا چاہیئے۔"

"تمہارے ساتھ میں نے کون سی نیکی کی ہے اُستاد!" — اُس نے کہا۔

"تم نیکی نہ کرتے تو آج یہ شادی نہ ہو رہی ہوتی جو اس گاؤں میں ہو رہی ہے" — میں نے کہا — "تم نے ایک نیک اور پاک لڑکی کو پاک ہی واپس کر دیا تھا۔ وہ میری کچھ نہیں لگتی رحمے! تم ڈاکو اور رہزن ہو کر ہاتھ آیا ہُوا اتنا خوبصورت مال امانت سمجھ کر واپس کر سکتے ہو تو میں تھانیدار ہو کر اس سے زیادہ اچھا کام کر سکتا ہوں۔"

"تیری مہربانی اُستاد!" — اُس نے کہا۔

"میں گارد ساتھ لایا ہوں" — میں نے کہا — "گاؤں پر چھاپہ ماروں گا۔ تمہیں پہلے اطلاع کر دی تھی۔ جاؤ نکل جاؤ.... ایک بات دماغ میں بٹھا لو۔ میرے علاقے میں کبھی نہ آنا۔ میں کسی کو چھوڑا نہیں کرتا اور میں سودا بھی نہیں کیا کرتا۔"

"ساری عمر خادم رہوں گا" — اُس نے کہا — "کبھی میری ضرورت پڑی تو اشارہ کر دینا.... میں زبیر کے مجبور کرنے پر آگیا تھا۔ وہ مجھ تک پہنچ گیا۔ میں ابھی اُسی ٹھکانے پر تھا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے بغیر میری شادی مکمل نہیں ہو گی۔ تم نے میری امانت میں خیانت نہیں کی تھی۔ میں نے سوچا کہ ایک تو میں نے اس لڑکی کو بیٹی کہا تھا، دوسری وجہ یہ ہوئی کہ زبیر اصل مرد ہے۔ اُس نے اُس لڑکی کو گلے لگا لیا جسے اُس کے تمام رشتہ داروں اور برادری نے دھتکار دیا تھا۔ بس یہی سوچ کر چلا آیا۔ لڑکی کو جوڑا اور سلامی دینی تھی۔ وہ دے چلا ہوں.... مخبری کس نے کی تھی؟ تمہیں اطلاع کرنے تھانے کون گیا تھا؟"

"میں اپنے علاقے میں قتل کی واردات نہیں کرانا چاہتا" —

میں نے کہا— "جاؤ نکل جاؤ۔"

اُس نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا اور ایک طرف نکل گیا۔ میں کوئی رائے نہیں دوں گا کہ میں نے اچھا کیا تھا یا بُرا، رائے آپ خود قائم کر لیں۔ اُس وقت میں نے جو محسوس کیا تھا اُس کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

میں اپنی گارد کے پاس گیا اور کہا کہ گاؤں کے قریب پہنچ جاؤ، وہاں دیکھیں گے کہ شادی والی جگہ کو گھیرے میں لینا ہے یا کیا کرنا ہے۔ میں گارد کو ساتھ لے کر بہت تیز چلتا گاؤں کے قریب چلا گیا۔ دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک نمبردار شنکر تھا اور دوسرا علی رضا۔

"وہ تو نکل گیا ہے حضور!"— نمبردار نے کہا— "قبرستان کی طرف آیا تھا۔ ہم دونوں نے دُور دُور سے اُس کا پیچھا کیا۔ قبرستان میں چار پانچ آدمی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ وہ اُس کے اپنے آدمی ہوں گے۔ ہمیں آگے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔"

نمبردار میں یا گاؤں کے کسی اور آدمی میں ہمت ہوتی بھی تو وہ رحمے کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ رحمے کو اگر پتہ چل جاتا کہ مخبری کس نے کی ہے تو وہ اُسے قتل کر کے گاؤں سے نکلتا۔

میں نے علی رضا سے ویسے ہی کہہ دیا— "تمہارا دشمن تو جال میں آکر نکل گیا ہے۔"

علی رضا اُس وقت تک ٹھیک تھا۔ میری بات سنتے ہی اُس نے دھماکے کی طرح قہقہہ لگایا۔ میں بدک گیا۔ پھر اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے اس طرح آواز نکالی جس طرح کُتّے رویا کرتے ہیں۔ کُتّے کی اس آواز کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ میں نے اس شخص کو پہلی بار اس کیفیت میں دیکھا تھا۔ میں ڈر گیا۔ اُسے یہ دورہ شاید اس صدمے سے پڑا تھا کہ اُس کا دشمن صاف بچ کر نکل گیا تھا۔ دو تین آدمی آگئے جو اُسے پکڑ کر اُس کے گھر لے گئے۔

میں نے اپنی کارگزاری کے لئے کچھ کرنا تھا۔ قانون کی رُو سے دیکھا

جاتا تو یہ نانک زبیر کا جُرم تھا کہ اُس نے ایک اشتہاری ملزم کو اپنے گھر بلایا اور پولیس کو اطلاع نہ دی۔ اگر میں اُسے خراب کرنا چاہتا تو میں اُسے اس جُرم میں گرفتار کر لیتا کہ اُس نے ایک اشتہاری ملزم کو اپنی پناہ میں رکھا ہے لیکن میں نے جو صورتِ حال پیدا کر دی تھی، اس میں میرے لئے ضروری تھا کہ میں زبیر کو بچائے رکھتا۔ میں نے چند ایک گواہ اکٹھے کئے اور اُن سے ایسے بیان لے کر قلمبند کئے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں گانا بجانا اور بھانڈوں کا تماشا ہو رہا تھا اور رحما آگیا۔ نمبردار اور علی رضا کے سوا اُسے کسی نے بھی نہ پہچانا۔ نمبردار نے فوراً تھانے اطلاع دے دی۔ زبیر کا بیان ایسا لکھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ رہزن کو جانتا ہی نہیں۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کہانی ایسی ہے کہ اس کی ہر ایک تفصیل لکھنی چاہئے کیونکہ بعض واقعات اس طرح لگتے ہیں جیسے یہ حقیقی نہیں۔ مثلاً رحمے کو نکال کر میں نے جو کارروائی کی اور جو بیان وغیرہ لئے وہ پورے آنے چاہئیں ورنہ پولیس والے کہیں گے کہ یہ شخص بنڈل پھینک رہا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس طرح کہانی بہت ہی لمبی ہو جائے گی اور ایسی چیزوں سے بھر جائے گی جو پڑھنے والوں کی دلچسپی کی چیزیں نہیں۔

میں نے کارروائی کی اور واپس آگیا۔

سینے میں خنجر اُترا ہوا تھا

دو روز اور گزرے تو میں نے ممتاز کی ماں کو پھر بلایا۔ پہلے کی طرح اُس کا خاوند اور بیٹے بھی ساتھ آگئے۔ میں چونکہ انہیں پریشان کرنا چاہتا تھا اس لئے انہیں باہر بٹھائے رکھا۔ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے بٹھا کر ممتاز کی ماں کو اندر بلایا۔ گاؤں میں وہ اونچی حیثیت کی عورت تھی لیکن

میں نے تھانے میں اُسے ذرا سی بھی اہمیت نہ دی۔ اُس سے میں نے وہی سوال پوچھے جو پہلے پوچھ چکا تھا۔ وہ رو پڑی۔

اِس کے بعد اُس کے دونوں بیٹوں کو باری باری بلایا اور دونوں سے کہا — "تم نے صبح دیکھا کہ تمہاری بہن لاپتہ ہے اور تم نے کہا کہ جہاں گئی ہے وہیں رہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ تم نے کس طرح برداشت کر لیا کہ تمہاری جوان بہن کہیں چلی گئی اور تم نے پرواہ نہ کی۔ اگر ایسا ہی تھا تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ کہاں گئی ہے.... جو بات صحیح ہے وہ مجھے بتا دو۔"

دونوں نے وہی جواب دیئے جو وہ پہلے دے چکے تھے۔ میں نے اُن کے ساتھ اپنا رویہ بڑا سخت رکھا۔

"میں تمہیں تھوڑی مہلت اور دے دیتا ہوں" — میں نے کہا — "اگلی دفعہ صحیح جواب لے کر آنا۔ تم نہیں بولو گے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہاری بہن جِس طرح گئی تھی، پھر میں تمہیں سزا سے نہیں بچا سکوں گا۔"

ان کے باپ کو میں نے اندر نہ بلایا اور انہیں اُس وقت جانے دیا جب سورج غروب ہو رہا تھا۔

رات کو میں گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ دروازہ بڑی زور سے کھٹکا۔ ایک کانسٹیبل تھا۔ اُس نے بتایا کہ سادھو (شفاعت) مارا گیا ہے۔ اُس کا ایک چیلہ آیا ہے۔ کہتا ہے کہ اُس کی لاش گُف میں پڑی ہے۔ اُس کے سِینے مں خنجر اُترا ہُوا ہے۔

میں نے کپڑے بدل کر تھانے پہنچنے تک فیصلہ کر لیا کہ ناتک زبیر احمد کو فوراً تھانے لانا ہے قتل کا پہلا شک اُسی پر تھا۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ شفاعت نے خودکشی کی ہوگی۔ اُس نے خود مجھے کہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو مار ڈالے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کسی کے ہاتھوں قتل ہو جاتے گا۔ اُس نے زبیر کے متعلق کہا تھا کہ وہ اُسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

میں نے حساب لگایا۔ زبیر نے شفاعت کو آٹھ روز کی مہلت دی تھی کہ وہ یہاں سے چلا جاتے۔ آٹھ روز پورے ہو گئے تھے۔ زبیر کو اگر گرفتار کرنا نہیں تو مشتبہ بٹھانا ضروری تھا۔ میں نے زبیر اور اُس کی دلہن شکوری کی خاطر رحم جیسے اشتہاری ملزم کو چھوڑ دیا تھا۔ زبیر پر میں نے یہ الزام بھی نہیں آنے دیا کہ اُس نے ایک خطرناک اشتہاری ملزم کو گھر بلایا اور پولیس کو اطلاع نہ دی لیکن میں اُسے یہ جُرم نہیں بخش سکتا تھا کہ اُس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔

میں خود شفاعت کی گُف کو روانہ ہو گیا اور اے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ وہ زبیر کو تھانے لے آئے۔

تھانے اُس کا وہی چیلہ آیا تھا جو پہلے بھی میرے پاس آ چکا تھا۔ میں راستے میں اُس سے سُنتا گیا کہ اُس کا "سادھو مہاراج" کس طرح مرا ہے۔ اس واردات کی تفتیش میں مجھے بہت محتاط ہونا تھا کیونکہ یہ ہندوؤں کا معاملہ تھا۔ اُن کا "مقدّس سادھو" مارا گیا تھا۔

چیلے نے بتایا کہ وہ سوتے ہُوتے تھے۔ شفاعت کے پاس ایک ہندو عورت آئی ہُوئی تھی۔ شور سا اُٹھا جس سے اِس چیلے اور دو اور چیلوں کی جاگ کھل گئی۔ دیکھا، شفاعت کے بستر کے قریب لالٹین جل رہی تھی۔ شفاعت بستر پر نہیں تھا۔ باہر سے کسی کی آواز سنائی دی اور "ہائے ہائے" بھی سُنائی دی۔ چیلے باہر کو دوڑے۔ شفاعت اپنے سینے پر ہاتھ رکھے ہُوتے گُف کے اندر آ رہا تھا۔ وہ کچھ آگے کو جُھکا ہُوا تھا۔ باہر کسی کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چاندنی اتنی صاف نہیں تھی کہ اچھی طرح نظر آتا۔ چیلوں نے یقین سے کہا کہ ایک آدمی دوڑا جا رہا تھا۔ ایک چیلے نے کہا، شاید دو آدمی تھے۔

گُف میں آکر دیکھا۔ شفاعت اوندھے مُنہ اپنے بستر پر پڑا تھا اور خون ہی خون تھا۔ اُسے سیدھا کیا تو اُس کے سِینے میں خنجر دستے تک اُترا ہُوا تھا۔ اُس وقت وہ زندہ تھا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے

کون مار گیا ہے۔ اُس نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا جو کسی کے پلّے نہ پڑا۔ فوراً بعد اُس نے آخری سانس لیا اور مر گیا۔

چیلوں نے بتایا کہ خنجر مقتول کا اپنا تھا۔ اُسے جب جن بھوت نظر آتے تھے تو وہ یہی خنجر ہوا میں مارتا تھا۔

مجھے چونکہ معلوم تھا کہ یہ جو سادھو بنے ہوتے ہیں، سب جرائم پیشہ ہیں، اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سب کو مشتبہوں میں رکھوں گا۔ میرا یہ خیال کہ شفاعت نے خودکشی کی ہے اس طرح رَد ہو جاتا تھا کہ چیلوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ بتاتے تھے کہ ایک ہندو عورت بھی وہاں موجود تھی۔ چیلوں کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کس وقت چلی گئی تھی۔

یہ امکان بھی تھا کہ اس عورت کے بھائی یا اُس کا خاوند کسی آدمی کو ساتھ لے کر آگیا۔ اپنی عورت کو لے گئے اور شفاعت کو قتل کر گئے۔

اُس علاقے کی زمین کھُروں کے لئے موزوں تھی۔ میرے ساتھ جو کانسٹیبل جا رہے تھے، ان میں سے ایک کو میں نے کہا کہ وہ کھوجی کو جگا لائے۔ دیہاتی علاقے کی وارداتوں کی تفتیش میں کھوجی بہت مدد کیا کرتے تھے۔ اسی کانسٹیبل سے کہا کہ وہ نمبردار شنکر کو گُف کی طرف بھیج دے۔

گُف میں جا کے دیکھا۔ شفاعت پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ نے ابھی تک خنجر کے دستے کو پکڑ رکھا تھا۔ خنجر دستے تک اُس جگہ اُترا ہوا تھا جہاں پسلیاں ختم ہوتی ہیں اور معدہ شروع ہوتا ہے۔

میں نے اُس کے جسم کو دیکھا۔ خنجر کا ایک زخم پیٹ کے ناف کے دائیں طرف تھا، دوسرا بائیں طرف سینے میں اور تیسرے وار میں قاتل خنجر مقتول کے پیٹ میں چھوڑ گیا تھا۔ تین زخم بتاتے تھے کہ شفاعت نے خودکشی نہیں کی۔ خودکشی کی صورت میں خنجر اُس کے پیٹ یا سینے میں اُترا ہوا ہوتا، تین زخم نہ ہوتے۔ یہ واردات قتل کی ہی تھی۔

میں نے چیلوں سے پوچھا کہ وہ فوجی (نائک زبیر احمد) دن کو

یہاں آیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں آیا تھا۔

پیاسی بیوہ

شنکر نمبردار کو کانسٹیبل نے بتا دیا تھا کہ سادھو قتل ہو گیا ہے۔ شنکر نے عقل سے کام لیا کہ وہ چارپائی اور چار پانچ آدمیوں کو ساتھ لے آیا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اے۔ ایس۔ آئی زبیر کو تھانے لے گیا ہے۔

میں نے وہ کارروائی مکمل کی جو اس قسم کی وارداتوں میں کی جاتی ہے۔ شنکر سے کہا کہ وہ لاش چارپائی پر رکھوائے اور اُس کے چار آدمی لاش ہسپتال میں لے جائیں۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے جا رہی تھی۔ پوسٹ مارٹم قصبے کے سرکاری ہسپتال میں ہونا تھا۔ کھوجی ابھی نہیں آیا تھا۔ میں نے چیلوں کے بیان لینے شروع کر دیئے۔ میں ہر ایک کو الگ بٹھا کر بیان لے رہا تھا۔ اُن پر جرح بھی کی۔ میں اس شک پہ پوچھ گچھ کر رہا تھا کہ یہ تینوں چیلے دراصل جرائم پیشہ ہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ ان کی آپس میں کسی وجہ سے دشمنی پیدا ہو گئی ہو اور اُنہوں نے مل کر شفاعت کو قتل کر دیا ہو۔

میں نے سب سے پہلے اُس چیلے کو الگ کر کے اپنے پاس گُف سے باہر زمین پہ بٹھا لیا جو تھانے رپورٹ دینے آیا تھا۔ دو چار روز پہلے بھی یہ شخص میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ میں شفاعت کی اور اُس کی اصلیت سے واقف ہوں۔ اب بھی وہ میرے آگے سادھو بنا ہوا تھا۔

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟"— میں نے اُس سے پوچھا۔

اُس نے اپنا کوئی ہندووانہ نام بتایا۔

"میں اصل نام پوچھ رہا ہوں"— میں نے کہا— "جس طرح تمہارے گورو مہاراج کا نام شفاعت علی تھا اسی طرح تمہارا اصل نام کچھ اور ہے ..... میں جانتا ہوں تم کون لوگ ہو۔ تم جب پہلی بار میرے پاس تھانے

میں آتے تھے۔ مجھے اُس وقت بھی تمہاری اصلیت کا علم تھا۔ میرے اس احسان کو نہ بھولو کہ میں نے تم لوگوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ میرے ساتھ دوستوں کی طرح بات کرو۔"

اُس نے اپنا نام بتایا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ وہ مسلمان تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ شفاعت کے قتل کا واقعہ بالکل صحیح صحیح سُنا دو۔

اُس نے ایک تو شفاعت کی وہی ذہنی کیفیت سنائی جو وہ مجھے پہلے بھی سُنا چکا تھا، پھر اُس نے سنایا کہ شفاعت کس طرح قتل ہُوا ہے۔ یہ بھی آپ کو سُنا چکا ہوں۔ شفاعت کو اب وہ اُستاد کہتا تھا۔

"رات کو ہم شور سے جاگے تو اُستاد (شفاعت) گُف میں باہر سے آرہا تھا"۔۔۔ اس چیلے نے کہا۔۔۔ "میں تو یہی سمجھا تھا کہ اُستاد نے خود ہی اپنے سینے میں خنجر مار لیا ہے لیکن ایک یا دو آدمیوں کو بھاگتے دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اُستاد کو کوئی مار گیا ہے .... اُستاد کے پاس ایک ہندو عورت آتی تھی۔ میں اُسے آنکھیں بند کر کے بھی پہچان سکتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ جوانی میں بیوہ ہو گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندو عورت نوعمری میں بیوہ ہو جاتے تو بھی اُس کی دوسری شادی نہیں ہو سکتی۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ جوانی میں بیوہ ہو جانے والی ہندو عورتیں اپنی تسکین کے لئے کیا کیا کرتی ہیں۔ انہیں مندر میں، آشرم میں اور ہم جیسے سادھوؤں کے پاس جانے سے کوئی نہیں روکتا۔ آپ جانتے ہوں گے کہ پنڈت وغیرہ انہیں کس راستے پر چلا لیتے ہیں ....

"یہ عورت ایک مہینے سے اُستاد کے پاس شکتی اور شانتی (امن و سکون) کے لئے آرہی تھی۔ اچھی خوبصورت عورت ہے۔ عمر پچیس چھبیس سال ہے۔ پہلے پہل وہ سچے دل سے روحانی سکون کے لئے آتی تھی۔ اُستاد نے اس پر اپنا اثر ڈال لیا۔ پہلے دن کو کبھی کبھی آتی تھی۔ اُستاد نے اُسے ایک روز کہا کہ رات کو آتے۔ وہ آگئی۔ اُستاد نے اُسے جسمانی سکون دے دیا۔ آج رات وہ دوسری بار آتی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ رات کو

وہ گھر والوں سے چوری آتی ہو گی۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ دن کے وقت وہ گورو یا سوامی مہاراج کے پاس آتی اور رات کو اس کا گورو شفاعت بن جاتا تھا۔ وہ شفاعت کے جال میں آگئی تھی۔ اُسے کسی نہ کسی کے جال میں آنا ہی تھا۔ ہندو خاوند کے مرجانے کی سزا اُس کی بیوہ کو دیتے ہیں۔ بیوہ جو ابھی جوانی کے عروج کو بھی نہ پہنچی ہو، وہ انتقامی جذبے کے تحت تسکین کا درپردہ انتظام کر لیتی ہے۔

میرے پوچھنے پر اس چیلے نے بتایا کہ اُسے معلوم نہیں کہ وہ کون سے گاؤں سے آتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ایک تو نمبردار شنکر کا گاؤں ہے اور اس سے میل سوا میل دور ایک اور چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہ عورت ان دونوں میں سے کسی ایک گاؤں کی رہنے والی تھی۔

اس شخص کو میں نے بڑی اچھی طرح کھنگال لیا۔ اس پر مجھے کوئی شک نہ ہُوا۔ باقی دو چیلوں کے بھی بیان لئے۔ اُنہوں نے بھی وہی کچھ کہا جو میں ایک سے سُن چکا تھا۔ یہ اس عورت کو پہچانتے تھے، یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون سے گاؤں سے آتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں کو شفاعت نے نوکر بنا کر رکھا ہُوا تھا۔ پہلا چیلہ شفاعت کا دستِ راست تھا

میں نے شنکر نمبردار سے پوچھا کہ اس کے گاؤں میں کوئی جوان ہندو بیوہ ہے؟ عمر پچیس چھبیس سال ہونی چاہیئے۔ اُس نے بتایا کہ دو ہیں لیکن دونوں کی عمریں تیس سال سے خاصی زیادہ ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ بیوہ خوبصورت ہے، رنگ گورا ہے۔ شنکر نے بتایا کہ ان دونوں کو خوبصورت نہیں کہا جا سکتا۔

"پھر ایک کام کرو"۔۔۔ میں نے شنکر سے کہا۔۔۔ "کسی سیانے آدمی کو پشالی (دوسرا گاؤں) بھیجو۔ وہاں وہ کسی اور کام کے بہانے جاتے اور معلوم کرے کہ اس گاؤں میں کوئی جوان بیوہ ہے، وہ کون ہے؟"

لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھجواتے، بیان لیتے اور دیگر کارروائیاں

کرتے صبح ہوگئی۔ کھوجی کو آتے دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ صبح طلوع ہوتے ہی اُس نے کھُرے ڈھونڈنے کا کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی قریبی گاؤں کے ہندوؤں نے دھاوا بول دیا۔ انہیں صبح صبح پتہ چلا تھا کہ اُن کا سادھو قتل ہوگیا ہے۔

کھوجی کو کھُرے مِل گئے تھے اور اُس نے مجھے دو راستے بتا کر کہا کہ اِدھر سے کوئی آدمی نہ گزرے، ورنہ کھُرے مِٹ جائیں گے۔ میں نے دو کانسٹیبلوں کو اور شنکر نمبردار کے دو تین آدمیوں کو مختلف جگہوں پر بھیج دیا کہ وہ اِدھر سے کسی کو گزرنے نہ دیں۔

کوئی ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ قصبے کے پانچ چھ ہندو آگئے۔ ان میں وہ دو ہندو بھی تھے جو ایک بار میرے پاس تھانے میں یہ شکایت لے کر آتے تھے کہ میں نے اُن کے سادھو کو پکڑ لیا ہے اور وہ دوسری بار مجھ سے معلوم کرنے آتے تھے کہ یہ سادھو مسلمان تو نہیں! اب وہ سادھو کے قتل کی خبر سُن کر آتے تھے۔ اُنہوں نے میرے ساتھ ایسے انداز سے بات کی جیسے مجھ سے جواب طلبی کر رہے ہوں۔ میں نے انہیں کہا کہ وہاں سے دُور چلے جائیں اور میرے کام میں دخل نہ دیں۔ وہ پرے تو چلے گئے لیکن ایسے لگتا تھا جیسے میرے سر پر سوار ہوگئے ہوں۔

میں نے اُن کی طرف ذرا سی بھی توجہ نہ دی۔

”جہاں کہو گے آجاؤں گی“

دو اڑھائی گھنٹوں بعد کھوجی میرے پاس آیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس نے مجھے کھُرے دکھائے۔ ایک کھُرا زنانہ پاؤں کا تھا۔ اُس نے سلیپر پہن رکھے تھے۔ اُس زمانے میں چمڑے کے سلیپر ہُوا کرتے تھے۔ یہ کھُرے گُف کی طرف آرہے تھے۔ کھوجی نے بتایا کہ ان کھُروں کی چال

عام ہے۔ عورت اطمینان سے چلتی آرہی ہے۔ گُف سے دس بارہ قدم دُور لے جا کر کھوجی نے یہی کھُرے مجھے دکھائے۔ قدموں کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا۔ کھوجی نے کہا کہ عورت دوڑتی جا رہی ہے۔ وہ واپسی کے کھُرے تھے۔ یعنی عورت چلتی ہُوئی گُف کی طرف آئی اور دوڑتی ہوئی واپس گئی۔ یہ کھُرا کچھ دُور تک گیا۔

آگے چھوٹا سا کھڈ تھا جو بمشکل ایک فٹ چوڑا اور آٹھ نو انچ گہرا ہوگا۔ اس کے قریب سلیپر کا ایک پاؤں پڑا تھا۔ معاملہ صاف تھا۔ دوڑتے دوڑتے اس عورت کا پاؤں اس کھڈے میں آگیا اور سلیپر کا ایک پاؤں اُتر گیا۔ وہ ڈری اور گھبراتی ہوئی تھی۔ وہ سلیپر پہننے کے لئے نہ رُکی۔ آگے کھُرے اس طرح تھے کہ ایک ننگے پاؤں کا اور دوسرا سلیپر کا تھا۔ تھوڑا آگے جا کر دونوں کھُرے ننگے پاؤں کے ہوگئے تھے۔ عورت نے سلیپر اُتار کر شاید ہاتھ میں لے لیا تھا۔

یہ کھُرے آگے جا کر ختم ہوگئے۔ زمین پتھریلی تھی اور آگے برساتی نالہ تھا جس میں تھوڑا تھوڑا پانی تھا۔ کھُرے ندی تک لے گئے۔ نالے کے پار شمالی گاؤں تھا۔ میں جان گیا کہ عورت اُس گاؤں میں گئی ہے۔

کھوجی مجھے ایک اور طرف لے گیا۔ وہاں دو مردانہ کھُرے تھے جو ایک اور طرف سے برساتی نالے تک چلے گئے تھے۔ کھوجی مجھے گُف کے اُوپر لے گیا۔ ایک گھاٹی اُترتی تھی۔ یہی کھُرے گھاٹی سے اُتر رہے تھے۔ بات صاف تھی۔ یہ دو آدمی تھے جو گھاٹی سے اُتر کر گُف میں آئے اور شفاعت کو قتل کر کے برساتی نالے کی طرف بھاگ گئے۔ عورت شفاعت کے پاس تھی۔ وہ اِن آدمیوں کو دیکھ کر اپنے گاؤں کو بھاگ گئی۔

بعض کھُرے اتنے صاف تھے کہ میں نے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ ان کے مولڈ تیار کرانے کا انتظام کرے۔

نمبردار شنکر نے جس آدمی کو شمالی گاؤں بھیجا تھا وہ آگیا۔ اُس نے بتایا کہ کشوری نام کی ایک عورت جس کی عمر پچیس چھبیس سال ہے،

عرصہ دو سال سے بیوہ ہے اور وہ گورے رنگ کی خوبصورت عورت ہے۔

میں نے وقت ضائع نہ کیا۔ شنکر نمبردار، ایک "معزز" ہندو، شفاعت کے ایک چیلے اور کھوجی کو ساتھ لے کر لشپالی کی طرف چل پڑا۔ برساتی نالے سے پار گئے تو ایک جگہ کھوجی نے عورت کا کھرا دیکھ لیا۔ آگے گھنی گھاس تھی۔ گاؤں سامنے نظر آرہا تھا۔ آگے کھرا نہ ملا۔ ملنے کی توقع بھی نہیں تھی۔ دیہات کے لوگ بہت سویرے جاگ اٹھتے تھے، مویشیوں کو بھی گھروں سے نکال دیتے تھے۔ یہ کھروں کو مٹا دیتے تھے۔

یہ چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ہمیں دیکھ کر گاؤں کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ میں نے انہیں کہا کہ کشوری کا گھر کون سا ہے۔ انہوں نے گھر دکھا دیا۔ میں اپنی پارٹی کے ساتھ اس گھر کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ ایک بوڑھا ہندو باہر آیا تو مجھے دیکھ کر اُس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں کشوری کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس ہندو کے مُنہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ شنکر نے مجھے دھیمی آواز میں کہا کہ اندر چلے چلو۔ میں نے اس آدمی سے پوچھا کہ کشوری کون ہے؟ اُس نے ڈری ہوئی سرگوشی میں بتایا کہ کشوری اُس کی بیٹی ہے۔

میں اندر چلا گیا اور کشوری کے باپ سے کہا کہ کشوری کو سامنے لائے۔ وہ کمرے میں گیا اور ایک خوبصورت لڑکی کو اس طرح ساتھ لایا جیسے اُسے گھسیٹ رہا ہو۔ میری تسلی اور دلاسے پر لڑکی مجھ تک پہنچی۔ وہ تو نوجوان لڑکی لگتی تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ اپنے سلیپر مجھے دکھائے۔ وہ خوفزدگی کی حالت میں میرے مُنہ کی طرف دیکھتی رہی۔ صحن میں کچھ جگہ دھول والی تھی۔ میں کشوری کو بازو سے پکڑ کر وہاں لے گیا اور واپس لے آیا۔ وہ اُس وقت ننگے پاؤں تھی۔ میرے کہے بغیر کھوجی وہاں گیا اور اُس نے کشوری کا کھرا دیکھ کر مجھے سر کے اشارے سے بتایا کہ وہی کھرا ہے۔

"دیکھو لالہ جی!" — میں نے کشوری کے باپ سے کہا — "اپنی بیٹی کے سلیپر کا ایک پاؤں میرے حوالے کر دو، ورنہ میں سارے گھر کی تلاشی

لوں گا۔"

ظاہر تھا کہ کشوری رات کو چوری چوری گھر سے نکلی اور شفاعت تک پہنچی تھی۔ اُس کے باپ کے لئے بڑی اذیت ناک صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ کشوری کی ماں بھی آگئی تھی۔ وہ کبھی میرے آگے ہاتھ جوڑتی کبھی کشوری کو کوسنے لگتی۔ وہاں جو منظر بن گیا تھا وہ میں پوری طرح بیان نہیں کر رہا۔ کہانی پہلے ہی بڑی لمبی ہو گئی ہے۔ مختصراً یہ کہ میرے ڈرانے دھمکانے سے کشوری نے سلیپر کا دوسرا پاؤں لا کر میرے آگے رکھ دیا۔

میں نے سلیپر کا وہ پاؤں جو وہ راستے میں پھینک آئی تھی، کانسٹیبل سے لے کر سب کو دکھایا۔ دونوں پاؤں اکٹھے رکھ دیئے۔ دونوں پاؤں ایک جیسے تھے۔ یہ ایک جوڑے کے پاؤں تھے۔ میں نے کشوری کو سب سے الگ کر لیا۔

"تمہیں بولنا پڑے گا کشوری!" — میں نے کہا — "سچ بول دو گی تو میں تمہارے سر پہ ہاتھ رکھ دوں گا .... اس میں کوئی شک نہیں کہ تم رات سادھوؤں کی گُف میں گئی تھیں۔"

"کسی طرح آپ پردہ نہیں ڈال سکتے؟" — اُس نے پوچھا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر دھیمی اور قدرے شرمیلی آواز میں بولی — "میں نے مان لیا ہے کہ میں وہاں گئی تھی .... آپ کہیں گے تو ...." اُس نے سر جھکا لیا۔

میں اُس کا اشارہ سمجھ گیا۔ میں نے اُس کے آگے مومن بننے کی کوشش نہ کی۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اُسے اپنے حُسن اور اپنی جوانی پر ناز ہے اور اپنی قیمت بھی جانتی ہے .... میں اُسے پرے لے گیا۔ نمبردار شنکر ایک چارپائی اُٹھائے دوڑا آیا۔ دو آدمی بستر اور تکیے اٹھاتے آ گئے۔ پلک جھپکتے میرے لئے بستر بچھ گیا۔

"تُو زمین پر بیٹھ جا" — نمبردار نے کشوری سے کہا۔

"میری بات دھیان سے سننا کشوری!" — جب سب پرے چلے

گئے تو میں نے اُسے کہا — "سادُھو قتل ہو گیا ہے۔ تم جب تک نہیں بتاؤ گی کہ وہ کس طرح قتل ہوا ہے میں تم پر پردہ نہیں ڈال سکوں گا"۔

"میں وہاں گئی تھی" — اُس نے کہا — "سادُھو مہاراج کے چیلے سو گئے تو سادھو مہاراج نے بستر پہ ہاتھ مار کر مجھے اشارہ کیا۔ میں اُن کے قریب ہوتی ہی تھی کہ دو آدمی اندر آ گئے۔ مہاراج نے اپنے تکیے کے نیچے سے خنجر نکالا اور اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے خنجر والا بازو اتنی زور سے گھمانا شروع کر دیا جیسے وہ ان دونوں آدمیوں کو چیر ڈالیں گے۔ مہاراج نے کئی بار کہا — 'آج تم انسانوں کے رُوپ میں آئے ہو۔ آج تمہیں نہیں چھوڑوں گا' — وہ دونوں آدمی پیچھے ہٹتے ہٹتے گُف سے نکل گئے۔ مہاراج تو جیسے پاگل ہو گئے تھے۔ وہ بڑی تیزی سے خنجر گھماتے اُن کے پیچھے گئے .... ایک آدمی کی آواز سنائی دی — 'ختم کر سالے کو' — میں گُف سے دوڑتی نکلی اور وہاں سے بھاگ آئی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی"۔

"اُن آدمیوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار تھا؟" — میں نے پوچھا — "چاقو، چھری، خنجر، کلہاڑی؟"

"کلہاڑی ہوتی تو نظر آ جاتی" — اُس نے جواب دیا — "میں نے ان کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں دیکھا"۔

"اگر وہ دونوں آدمی تمہارے سامنے کھڑے کئے جائیں تو تم انہیں پہچان لو گی؟"

"میں نے لالٹین کی روشنی میں اُن کے چہرے اچھی طرح دیکھے تھے" — اُس نے کہا — "ایک کو میں دیکھوں تو پہچان لوں گی، دوسرے کو میں جانتی ہوں"۔

"جانتی ہو؟" — میں نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن اُس کا نام بتاتے ہوئے ڈرتی ہوں" — اُس نے کہا — "وہ زبردست غنڈہ اور بدمعاش ہے۔ ہمارے گاؤں کا رہنے والا ہے۔

اگر اُسے پتہ چل گیا کہ میں نے اُس کا نام لیا ہے تو وہ میرے سارے خاندان کا جینا حرام کر دے گا۔ میرا تو وہ دشمن ہے"۔

"کیوں؟" — میں نے پوچھا — "تمہارے ساتھ اُس کی کیا دشمنی ہے؟"

"میری خواہش کرتا ہے" — اُس نے کہا — "مجھے وہ اچھا نہیں لگتا۔ ہندو ہے لیکن بہت بدمعاش ہے۔ شراب کے نشے میں بدمست رہتا ہے اور بکواس کرتا رہتا ہے۔ میں تو اُس کے جسم کی بدبو برداشت ہی نہیں کر سکتی .... اگر آپ مجھ پر پردہ ڈالے رکھیں تو میں آپ کو ایک اور بات بتاؤں"۔

"میں تمہاری ہوا بھی کسی کو دیکھنے نہیں دوں گا" — میں نے کہا — "میں اس شخص کی بدمعاشی ایک منٹ میں ختم کر دوں گا۔ تمہاری طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ تم بات کرو"۔

"میں نے پہلے یہ بات دل میں رکھ لی تھی" — اُس نے کہا — "میں سادُھو مہاراج کے پاس تھی تو یہ دو آدمی گُف میں آئے۔ میں نے اس بدمعاش کو پہچان لیا اور اُس نے مجھے پہچان لیا۔ اُس نے کہا — 'یہ تو ہماری جان بیٹھی ہوئی ہے۔ پہلے جوگی مہاراج (شفاعت) کا حساب برابر کر لیں پھر اپنی جان سے گلے ملیں گے' — سادُھو مہاراج نے اُن پر خنجر سے حملہ کر دیا تو وہ دونوں باہر نکل گئے اور مجھے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا .... اُس کا نام گوپال داس ہے اور داسا کہلاتا ہے"۔

ساس بہو تھانے میں

میں نے شنکر نمبردار کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ وہ داسا کو جانتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اُسے تو سارا علاقہ جانتا ہے۔ شنکر کو اُس کا گھر بھی معلوم تھا۔ میں نے کشوری کے باپ کو کہا کہ کشوری یہیں رہے گی اور وہ گھبرائیں نہیں۔ ڈرنے والی کوئی بات نہیں۔ میں نے شنکر نمبردار

اور دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا اور شنکر کی راہنمائی میں داسا کے دروازے پر جا پہنچا۔

دروازہ کھلا تھا۔ معمولی سا دیہاتی طرز کا مکان تھا۔ میں دستک دیئے بغیر اندر چلا گیا۔ صحن میں دو عورتیں تھیں۔ ایک ادھیڑ عمر اور ایک جوان۔ اُن سے پوچھا، داسا کہاں ہے؟ وہ چپ رہیں۔ وہ بہت ڈر گئی تھیں۔ جوان عورت نے کمرے کی طرف دیکھا۔

میں اندر چلا گیا۔ چارپائی پر ایک آدمی بڑی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ شنکر نے مجھے بتایا کہ یہ ہے داسا۔ میں نے اُس کے سر کو جھنجھوڑا۔ اُس نے "اُوں ہوں" کہہ کر کروٹ بدل لی۔ شنکر اور ایک کانسٹیبل اُسے جھنجھوڑنے لگے۔

"او، کیا مصیبت آگئی ہے"۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے غصّے سے کہا ــــ "کیا ہے؟"

اُس نے میری طرف دیکھا تو اُس کے مُنہ سے "اوہ" نکل گئی۔ وہ بڑی تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُس کے کپڑے دیکھے۔ بالکل صاف تھے۔

"داسے دوست!" ــــ میں نے کہا ــــ "رات والے کپڑے دے دو۔"

"کون سے کپڑے؟"

میں نے اُس کی جوتی دیکھی جو چارپائی کے ساتھ پڑی تھی اور کھوجی کی طرف دیکھا۔ اُس نے داسا کی جوتی اُٹھا کر اُس کے تلوے دیکھے۔ پھر میری طرف دیکھ کر اُس نے سر کا ہلکا سا اشارہ کیا۔ کھُرا اِسی جوتی کا تھا۔

"داسے!" ــــ میں نے کہا ــــ "میں نے کہا تھا رات والے کپڑے دے دو۔ تلاشی میں کپڑے برآمد ہوتے تو مجھ سے رعایت کی توقع نہ رکھنا۔ تمہارے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے داسے!"

"میرا قصور کیا ہے حضور؟" ــــ اُس نے پوچھا۔

"مکان کی تلاشی لو"۔ میں نے کہا۔

ایک کانسٹیبل صحن میں نکل گیا۔ رسّی پر پاجامہ اور کُرتہ پڑے ہوئے تھے۔ دھو کر ڈالے گئے تھے۔ کانسٹیبل نے دونوں کپڑے اُتار لئے۔ میں نے دونوں عورتوں سے پوچھا کہ یہ کپڑے کس نے دھوتے تھے؟..... دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"میرے گھر کی کسی عورت کے ساتھ بات نہ کرنا تھانیدار صاحب!" ــــ داسا جو مجھ سے چار پانچ قدم دُور کھڑا تھا، بولا ــــ "مجھ سے پوچھو کیا پوچھتے ہو۔"

میں نے اُس کے قریب جا کر اُس کے مُنہ پر اتنی زور سے تھپّڑ مارا کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کے سامنے جا گرا۔

"اِن سب کو تھانے لے چلو"۔ میں نے کہا۔

داسا منت سماجت پر آگیا۔ میں نے اُس کی ایک نہ سُنی اور اُسے اور اُس کے گھر کی دونوں عورتوں کو باہر لے گیا۔ ایک اُس کی ماں اور دوسری اُس کی بیوی تھی۔ میرے ساتھ دو کانسٹیبل تھے۔ میں نے پاجامے اور کُرتے کی برآمدگی کے کاغذات تیار کئے اور گواہوں کے دستخط کرائے۔

ان تینوں کو میں تھانے لے جانے لگا تو دونوں عورتیں ہاتھ جوڑ کر میرے آگے آگئیں لیکن میں نے پرواہ نہ کی۔ ایک کانسٹیبل کے پاس ہتھکڑی تھی جو میں نے داسا کو لگوا دی اور اُسے اُس کی ماں اور بیوی کے ساتھ تھانے کو روانہ کر دیا۔ ایک آدمی سے کہا کہ وہ شفاعت کی گُف کو جائے اور تینوں چیلوں اور کانسٹیبلوں کو تھانے پہنچنے کو کہے۔

میں خود کشوری کے گھر چلا گیا اور اُس کے باپ سے کہا کہ وہ کشوری کے ساتھ تھانے چلا چلے۔ میں نے اُسے تسلّی دی کہ اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔

میں جب تھانے پہنچا تو دن کے تین بج رہے تھے۔ میں نے داسا کو الگ، اُس کی ماں کو الگ اور اُس کی بیوی کو الگ بٹھا دیا۔ شفاعت کے چیلے پہنچ چکے تھے۔ میں نے انہیں اپنے دفتر میں بلا کر کہا کہ باہر ایک آدمی (داسا) بیٹھا ہے، اسے اچھی طرح پہچان لیں۔ میں انہیں موقعہ کے گواہوں کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ داسا کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر بعد اُسے حوالات میں بند کرا دیا۔

میں ایف۔ آئی۔ آر اور دیگر کاغذات تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میں داسا اور اُس کی عورتوں سے آدھی رات کے بعد پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔ شام کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا۔ کشوری اور اُس کے باپ کے سونے کا کھانے کا میں نے انتظام کر دیا تھا۔

ایک ٹکٹ میں دو مزے

رات ڈیڑھ بجے کے قریب میں تھانے میں آیا اور داسا کو حوالات سے نکلوا کر اپنے کمرے میں بٹھا لیا۔

"داسے!" — میں نے کہا — "اقبالی بیان دے دے۔ تیری ماں اور بیوی نے رو رو کر بیان دے دیئے ہیں۔" — یہ میں نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔ ان دونوں عورتوں کے ساتھ تو میری بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ میں نے داسا سے کہا — "یہی پاجامہ اور کرتہ تھا نا، جو تم نے قتل کے وقت پہنا ہوا تھا... تم تو بالکل اناڑی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ بدمعاشی کچھ اور چیز ہے اور قتل بڑا ہی مختلف معاملہ ہے۔ تم نے اتنی سی بھی احتیاط نہ کی کہ تمہارے گاؤں کا ایک عینی شاہد وہاں موجود تھا اور تم نے گاؤں میں آ کر اُس کا مُنہ بند کرنے کی نہ سوچی۔ تم مزے سے اور دوپہر تک سوتے ہی رہے.... یہ بھی سوچ لو کہ عینی شاہد تین اور

آدمی تھے۔ وہ مقتول سادھو کے چیلے ہیں۔"

"یہ غلط ہے" — اُس نے اناڑیوں جیسی بات کی — "وہ تینوں وہاں نہیں تھے، وہ موقعہ کے گواہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟" — اتنا کہہ کر وہ چونک پڑا۔ اُس کا رنگ بدل گیا۔ لیکن اُس کے مُنہ سے جو الفاظ نکل گئے تھے، وہ واپس مُنہ میں نہیں جا سکتے تھے۔

میں نے اُس کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی۔ وہ تو بالکل ہی اناڑی تھا۔ ایسے آدمی کو ہم بھو کا بدمعاش کہا کرتے تھے۔ میرے ذہن میں قتل کی وجہ یہ آئی کہ یہ شخص کشوری کے پیچھے پڑا ہوا تھا مگر کشوری شفاعت سادھو کی ہو کے رہ گئی تھی۔ داسا نے شفاعت کو راستے سے ہٹا دیا۔ اُس نے کشوری کو اِدھر آتے دیکھ لیا ہو گا۔

"داسے!" — میں نے کہا — "اپنی ماں اور بیوی کی عزت آبرو کا خیال کر اور بول پڑ، پھر دیکھ میں تجھے کس طرح نکالتا ہوں۔ جھوٹ سے اور چھپانے سے تم پھانسی سے نہیں بچ سکو گے۔ میں موقعہ کے جھوٹے گواہ عدالت میں لے جا کر تمہیں سزائے موت دلا دوں گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم قاتل ہو۔ سیدھی بات کرو اور زندہ رہو۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اُس کا سر جھک گیا۔ میں انتظار کرتا رہا۔ ڈیڑھ ایک منٹ بعد اُس نے شکست کے لہجے میں کہا — "شہر کے دو آدمیوں کو بلا دیں.... لالہ گھنیش چند اور سیٹھ بنارسی داس.... میں اُن کے سامنے بیان دوں گا۔"

"اُن کے سامنے کیوں؟" — میں نے پوچھا — "اور یہ تو بتاؤ کہ تمہارے ساتھ دوسرا آدمی کون تھا؟"

گیا ہے؟"

میرا جواب سُن کر اُس نے میرے ساتھ ہاتھ ملایا اور معافی مانگی اور چلا گیا۔ میں داسا کے پاس آیا اور اُس سے پوچھا کہ وہ لالہ گھنیش چند اور سیٹھ بنارسی داس کو کیوں بلانا چاہتا ہے؟

"ہم دونوں سے ساؔدھو کو انہوں نے ہی قتل کرایا ہے"۔۔۔ داسا نے کہا ۔۔۔ "کہتے تھے کہ تم پکڑے نہیں جاؤ گے۔ پکڑے گئے تو تمہیں چھڑا لیں گے۔"

داسا کا بیان بڑا لمبا تھا۔ میں آپ کی دلچسپی کی بات سنا دیتا ہوں۔ لالہ گھنیش اور سیٹھ بنارسی داس قصبے کے دولتمند تاجر تھے اور وہ وہاں کے لیڈر تھے۔ یہی دو ہندو پہلی بار اپنے "ساؔدھو" کی گرفتاری پر میرے پاس آتے تھے اور دوسری بار مجھ سے پوچھنے آتے تھے کہ یہ ساؔدھو مسلمان تو نہیں۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ان کے اپنے مخبر ہیں جو پتہ چلا لیں گے کہ یہ ساؔدھو (شفاعت) جعلی ہے یا اصلی۔

انہوں نے کسی طرح معلوم کر لیا کہ یہ ساؔدھو جعلی ہے اور مسلمان ہے۔ یہ پتہ پریتوؔ نے چلایا تھا۔ لالے اور سیٹھ نے اسے کہا کہ اس ساؔدھو کو قتل کر دو اور پانچ سو روپیہ نقد وصول کرو۔ پریتوؔ نے پانچ سو روپیہ لے لیا۔ داسا اس کا دوست تھا۔ پریتوؔ داسا کے گاؤں گیا اور اسے اڑھائی سو روپیہ دے کر شفاعت کے قتل پہ آمادہ کر لیا۔

دونوں نے قتل کی رات مقرر کر لی۔ پریتوؔ نے کہا کہ چھری چاقو استعمال نہیں کریں گے کیونکہ خون کے چھینٹے کپڑوں پہ پڑ جاتے ہیں۔ اس نے یہ طریقہ بہتر سمجھا کہ وہ گز بھر رسی ساتھ لے گیا۔ داسے کو اس نے بتایا تھا کہ ساؔدھو سویا ہوا ملا تو ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دیں گے۔ اگر جاگتا ملا تو اس کے معتقد بن کر بیٹھ جائیں گے اور موقع دیکھ کر رسی گلے میں ڈال کر اسے مار ڈالیں گے۔ انہوں نے شفاعت کے چیلوں کو سنبھالنے کا انتظام کر لیا تھا لیکن انہیں امید یہی تھی کہ وہ سوتے ہوں گے۔ پریتوؔ دن کے وقت تین بار شفاعت کے پاس گیا اور عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ اس نے معلوم کر لیا تھا کہ ساؔدھو کس جگہ سوتا ہے۔

دونوں شفاعت کو قتل کرنے گئے۔ شفاعت جاگتا مل گیا اور اس کے پاس کشوری بیٹھی ہوتی تھی۔ داسا بہت خوش ہوا کہ ایک ٹکٹ میں دو

مزے ملیں گے لیکن شفاعت نے خنجر نکال لیا۔

"ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ شخص خنجر چلانے میں اتنا تیز ہے"۔۔۔ داسا نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا ۔۔۔ "وہ اتنی تیزی سے خنجر کو گھمانے لگا کہ ہم گھبرا کر پیچھے ہٹے اور گُف سے نکل آئے۔ وہ ہمارے پیچھے آیا.... پریتوؔ نے کہا کہ پکڑو اسے اور اسی خنجر سے ختم کرو۔ ہُوا یہ کہ ساؔدھو ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔"

ان دونوں نے اسے اٹھنے نہ دیا۔ اس سے خنجر چھین کر دو وار کئے۔ شفاعت اٹھا تو پریتوؔ نے آخری وار اس کے پیٹ میں کیا اور خنجر وہیں چھوڑ کر دونوں بھاگ آئے۔ داسا نے بتایا کہ وہ اور پریتوؔ نشے میں تھے۔ نشے کے علاوہ لالہ گھنیش اور سیٹھ بنارسی داس نے انہیں یقین دلا رکھا تھا کہ اگر وہ پکڑے گئے تو انہیں بری کرا لیا جائے گا۔ یہ دوسرا نشہ تھا جو دونوں قاتلوں پر طاری رہا۔ یہی وجہ تھی کہ داسا بڑے مزے سے گھر میں سو رہا تھا۔

یہاں میں آپ کو ایک بات بتا دوں جو داسا اور پریتوؔ کو معلوم نہیں تھی۔ شفاعت نے انہیں دیکھ کر خنجر جو چلایا تھا وہ اس لئے نہیں چلایا تھا کہ یہ دو آدمی اسے قتل کرنے آئے ہیں۔ میں یہ رائے اس لئے یقین سے دے رہا ہوں کہ مجھے شفاعت کی ذہنی حالت معلوم تھی۔ کشوری نے مجھے بتایا تھا کہ ساؔدھو نے خنجر گھماتے ہوئے کہا تھا کہ اب تم انسانوں کے روپ میں آتے ہو۔ وہ انہیں جن بھوت سمجھ رہا تھا۔ اس پر وہ دورہ پڑ گیا تھا جسے آپ کالے جادو کا الٹا اثر کہہ سکتے ہیں، ضمیر کا ردِّ عمل کہہ سکتے ہیں اور اسے آپ کشوری کی آہوں کا اور اللہ کے کلام کا اثر بھی کہہ سکتے ہیں۔

عورت جال میں آگئی

صبح تک داسا کا بیان ختم نہیں ہوا تھا۔ میں جرح بھی کرتا جا رہا تھا۔ مجھے تو ذرا ذرا سی تفصیل کی ضرورت تھی کیونکہ مجھے مقدمہ قائم کرنا تھا۔ یہ اطلاع مجھے دو گھنٹے پہلے مل گئی تھی کہ پریتُو کو گھر سے گرفتار کر لیا گیا اور اُسے حوالات میں بند کر دیا گیا ہے۔

داسا سے فارغ ہو کر میں نے پریتو کو حوالات سے نکلوا کر اپنے پاس بٹھایا اور اُسے کہا کہ داسا بیان دے چکا ہے۔

"تم بیان نہیں دو گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔ میں نے کہا۔ "موقعہ کے گواہ موجود ہیں اور تمہارے ساتھی کا اقبالی بیان بھی مل گیا ہے۔ میں تمہیں سزائے موت دلاؤں گا۔ اگر بیان دے دو گے تو تمہیں مرنے سے بچا لوں گا اور ہو سکتا ہے تم اپیل میں بری ہو جاؤ۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اقبالی بیان نہیں دو گے تو یہاں تمہاری حالت زندہ لاش جیسی کر دوں گا۔"

پریتُو بھی کچا آدمی نکلا۔ وہ پہلی بار پکڑا گیا تھا۔ پولیس کے ساتھ اُس کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا۔ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد وہ مان گیا اور اس نے اقبالی بیان دے دیا۔ یہ داسا کے بیان کی تائید تھی۔ بہت ہی معمولی سا فرق تھا۔

پریتُو کا بیان شروع ہونے سے پہلے میں نے ایک کام کیا۔ میں ممتاز کے قتل کی بھی تفتیش ساتھ ساتھ چلا رہا تھا۔ میں نے ایک کانسٹیبل کو ممتاز کے گاؤں بھیجا کہ وہ ممتاز کی ماں اور دونوں بھائیوں کو ساتھ لے آئے۔

میں پریتُو کا بیان لینے لگا۔ اُس نے بیان کے دوران تین چار مرتبہ کہا۔ "آپ بیان لے لیں۔ میں کچھ بھی نہیں چھپاؤں گا۔ لالہ اور سیٹھ ہمیں چھڑا لیں گے۔ میں آپ کا حکم مان رہا ہوں۔ آپ کو ناراض نہیں کروں گا۔"

میں نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بری ہو جاتے اور یہ بھی کہا کہ میں مقدمہ بڑا ڈھیلا بناؤں گا۔ تم بری ہو جاؤ گے۔ تم نے کسی بیگناہ آدمی کو قتل نہیں کیا۔

پریتُو داسا کی طرح کم عقل آدمی تھا۔ اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اس کا بیان بہت لمبا تھا۔ اس دوران مجھے اطلاع ملی کہ ممتاز کی ماں، باپ اور بھائی آ گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ انہیں باہر زمین پر بٹھا دو۔

سورج غروب ہونے تک وہ باہر زمین پر بیٹھے رہے۔ میں نے کانسٹیبل سے کہا کہ انہیں کہو کہ چلے جائیں اور انہیں میرے پاس نہ آنے دینا۔

پریتُو کا بیان ہو چکا تھا اور اُسے حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔ کشوری اور اُس کے باپ کو میں نے خوب کھلایا پلایا تھا۔ کشوری کو میں نے کچھ باتیں بتائیں اور اُس کے باپ سے کہا کہ وہ کشوری پر کوئی شک نہ کرے۔ یہ بے چاری بیوہ ہے۔ اپنے مَن کی شانتی کے لئے سادھو کے ہاں چلی گئی تھی مگر وہاں کوئی اور ہی واقعہ ہو گیا۔ باپ خوش ہو گیا کہ اُس کی بیٹی پر کوئی الزام نہیں۔ میں دراصل کشوری کو خوش کرنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے میں نے گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کرنا تھا۔ دونوں کو میں نے گاؤں بھیج دیا۔

شفاعت کے قتل کے جرم میں لالہ گھنیش چند اور سیٹھ بنارسی داس بھی شامل تھے لیکن اُن کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ کسی کے زبانی کہہ دینے سے کہ یہ قتل فلاں کے کہنے پر کیا گیا، اُسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ دونوں سرکردہ ہندو میرے پاس آئیں گے اور ہو سکتا ہے رشوت پیش کریں کہ داسا اور پریتُو کو چھوڑ دوں، لیکن

وہ نہ آئے۔

میں نے دوسرے دن صبح صبح ایک کانسٹیبل کو بھیجا کہ ممتاز کی ماں وغیرہ کو ساتھ لے آئے۔ میں انہیں پریشان کر رہا تھا۔ اے۔ ایس۔ آئی سے کہا کہ وہ داسا اور رپیٹو کو مجسٹریٹ کے پاس لے جا کر ان کے اقبالی بیان قلمبند کرا لے۔ اس کے بعد دونوں ملزموں کو جیل کی حوالات میں چلے جانا تھا۔

ممتاز کی ماں اپنے بیٹوں اور خاوند کے ساتھ آئی تو میں نے انہیں باہر بٹھا دیا اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے کہ ممتاز کا گاؤں دوسرے تھانے میں تھا۔ اس کے انچارج سب انسپکٹر معین الدین نے کہا تھا کہ وہ مجھے بہت اچھے مخبر دے گا۔ اس نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا تھا۔ اس کے دو مخبروں نے ممتاز اور اس کے خاندان کے متعلق بڑے کام کی باتیں بتائی تھیں جن سے ممتاز کے بھائیوں پر میرا شک پختہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ان کی ماں کو بار بار تھانے بلا کر دراصل میں اس کے بھائیوں کو پریشان کر رہا تھا۔

شام ہونے کو آئی لیکن میں نے ان لوگوں کو گاؤں چلے جانے کی اجازت نہ دی۔ سورج غروب گیا۔ اندھیرا ہو گیا۔ میں اپنے گھر جانے لگا تو ممتاز کا بڑا بھائی میرے پاس آیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ کہنے لگا کہ انہیں جانے کی اجازت کیوں نہیں دی جا رہی؟ میں نے کہا کہ وہ مشتبہ ہیں۔ میں انہیں جب تک چاہوں گا تھانے میں رکھوں گا۔

میں گھر سے واپس آیا تو ممتاز کی ماں کو بلایا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ پاؤں پر کھڑی رہنے کے قابل نہیں تھی۔

"تم جس سادھو کے پاس جایا کرتی تھیں، وہ قتل ہو گیا ہے"۔۔۔ میں نے اسے کہا۔۔۔ "اور شک تمہارے بیٹوں پر کیا جا رہا ہے"۔

اس کی حالت ایسی ہو گئی جیسے بے ہوش ہو جائے گی۔

"جس روز تمہارے بیٹوں کو پتہ چل گیا کہ منور کے ساتھ تمہارا کیا تعلق تھا، اس روز وہ منور کو بھی قتل کر دیں گے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "تمہارے بیٹے پھانسی کے تختے پر کھڑے ہیں۔ انہیں بچاؤ"۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسی باتوں سے ایک ماں کی جذباتی حالت کیا ہوئی ہو گی۔ اس سے زیادہ بری حالت اس ماں کی ہو گئی۔ اس نے پہلے میری ٹھوڑی پکڑی پھر فرش پر بیٹھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ رو رو کر کہنے لگی کہ میرے بیٹوں کی جگہ مجھے پھانسی دے دو۔ میں اپنی زمینیں بیچ کر ساری رقم آپ کے قدموں میں رکھ دوں گی۔

میں اس کے پاؤں تلے سے زمین نکالتا چلا گیا۔ اسے اس کا بھی اچھا خاصا دھچکہ لگا تھا کہ میں نے اس کے اور منور کے تعلقات کا ذکر کر دیا تھا۔ وہ میرے آگے بچھتی چلی گئی۔

"میں سادھو کے قتل میں تمہارے بیٹوں کو نہیں پکڑوں گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ کسی اور جرم میں تمہارے بیٹوں کو گرفتار نہیں کروں گا لیکن ممتاز کے قتل کے متعلق مجھے صحیح بات معلوم ہونی چاہئے ورنہ میں تمہارے بیٹوں کے لئے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی بہن کو انہوں نے قتل کیا ہے۔ انہیں کہو مجھے بتا دیں۔ میں انہیں بچا سکتا ہوں۔ لاش کی شناخت نہیں ہوتی۔ میرے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ وہ لاش تمہاری بیٹی کی تھی"۔

میں نے اس عورت کو ایک گھنٹہ چکر دیئے۔ ایک سے ایک دلکش فریب دیا۔ میں اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں سے کہے کہ وہ مجھے بتا دیں کہ انہوں نے اپنی بہن کو کس طرح قتل کیا ہے۔ اگر نہیں بتائیں گے تو میں انہیں گرفتار کر لوں گا اور انہیں ایسے طریقوں سے منوالوں گا کہ تم اپنے بیٹوں کو پہچان نہیں سکو گی۔ پھر وہ سیدھے پھانسی کے تختے پر یا عمر قید کے لئے کالا پانی چلے جائیں گے۔ خود بتا دیں گے تو میں انہیں صاف بچا لوں گا۔

"کیا لیں گے آپ؟" —— اُس نے پوچھا۔
"جو تم لوگ دو گے لے لوں گا" —— میں نے کہا —— "لوں گا اُس وقت جب تمہارے بیٹوں کو چھوڑ دوں گا۔"

دیہاتی عورت جال میں آ گئی۔

ہندو نے ہندو کو دھوکہ دیا

"مجھے انہوں نے تین چار روز گزرے بتایا ہے کہ انہوں نے ممتاز کو قتل کر دیا تھا" —— اُس نے کہا —— "اور وہ لاش اپنی گھوڑی پر ڈال کر وہاں دبا آئے تھے جہاں سے ملی تھی۔"

میں نے اس عورت کو تسلی دلاسہ دے کر باہر بھیج دیا اور اُس کے بڑے بیٹے کو بلایا۔ میں نے اُسے بلانے میں دانستہ کچھ وقت لگایا تھا تاکہ ماں اُسے اچھی طرح بتا دے کہ اُس نے مجھے راز دے دیا ہے اور سودا طے ہو گیا ہے۔

"ماں نے تمہیں کچھ کہا ہے؟" —— میں نے پوچھا۔

"ہاں جی!" —— اُس نے جواب دیا —— "ہم آپ کی جھولی بھر دیں گے۔"

"میں تمہاری کھال نہیں اُتاروں گا" —— میں نے کہا —— "جائز رقم لوں گا اور تمہارا کام کر دوں گا۔"

اُس نے بتایا کہ جس رات اُس کی ماں اور اُس کا باپ دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے، انہوں نے ممتاز سے کہا کہ وہ اپنا دماغ درست کر لے۔ ممتاز نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سو گئے۔ چھوٹے بھائی کی ویسے ہی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے دیکھا کہ ممتاز بستر پر نہیں تھی۔ اُس نے بڑے بھائی کو جگایا۔ بڑا بھائی باہر نکلا۔ ممتاز آ رہی تھی۔ بڑے بھائی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے؟ ممتاز نے کہا کہ دل گھبرا رہا تھا اس لئے باہر نکل گئی تھی۔

بڑے بھائی نے اُسے گالی دی۔ ممتاز نے ایک کی بجائے دو گالیاں

دے ڈالیں۔ چھوٹا بھائی بھی باہر نکل آیا۔ اُس نے ممتاز کو بڑی بیہودہ بات کہہ دی۔ ممتاز نے اُسے اس سے زیادہ بیہودہ بات کہہ دی۔ دونوں اُسے پکڑ کر اندر لے گئے۔ بڑے بھائی نے پیچھے سے اُس کا گلا ہاتھوں میں دبا لیا۔ وہ مر گئی تو انہوں نے لاش گھوڑی پر ڈالی اور دُور جا کر دبا آئے۔ انہوں نے گڑھا کدال سے کھودا تھا۔

چھوٹے بھائی کو بلایا تو بڑے بھائی کے کہنے پر اُس نے بھی اقبالِ جرم کر لیا۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ میں نے ان کے ماں باپ سے کہا کہ وہ گاؤں چلے جائیں، اُن کے بیٹے صبح آ جائیں گے۔ وہ چلے گئے اور میں نے دونوں بھائیوں کو حوالات میں بند کر دیا۔

دوسرے دن اُن کا اقبالی بیان قلم بند کرانے کے لئے مجسٹریٹ کے پاس بھیجا تو دونوں نے بیان دینے سے انکار کر دیا۔ مجسٹریٹ نے انہیں جیل کی حوالات میں بھیج دیا۔

میں نے دونوں کیس، سادھو کا قتل اور ممتاز کا قتل، اکٹھے تیار کئے۔ دونوں کیسوں کو ثابت کرنا بڑا مشکل تھا۔ ممتاز کے قتل میں اُس کے دونوں بھائیوں کو مجرم ثابت کرنا تو ناممکن نظر آ رہا تھا۔ میں نے جھوٹے گواہوں سے خالی خانے پُر کئے۔ یہ کام بڑا ہی نازک اور محال تھا لیکن میں نے کر لیا۔

اگر میں سُنانے لگوں کہ کیسے کیا تو اسی کی ایک کتاب بن جائے گی۔

سیشن کورٹ نے ممتاز کے دونوں بھائیوں کو عمر قید کی سزا دی اور داسا اور پریتو کو سادھو کے قتل میں سزائے موت دی۔ انہوں نے ہائی کورٹ میں اپیلیں دائر کیں۔ سب کی اپیلیں نامنظور ہو گئیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ لالہ گنیش چند اور سیٹھ بنارسی داس نے سادھو کو قتل کرایا تھا لیکن وہ داسا اور پریتو کی مدد کو نہ آئے۔ انہوں نے ہندو کی ذہنیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔